بگولے

شموئل احمد

www.taemeernews.com

جملہ حقوق بحق نشاط آرا خانم محفوظ

اس کتاب کی اشاعت میں بہار اُردو اکادمی کا مالی تعاون شامل ہے۔ کتاب میں شائع مواد سے بہار اُردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ کسی بھی قابلِ اعتراض مواد کی اشاعت کے لئے خود مصنف ذمہ دار ہے۔

بگولے

شموئل احمد

طباعت ــــــ ۱۹۸۸ء

تعداد ــــــ دو ہزار

طابع ــــــ نشاط آرا خانم

ناشر ــــــ سرخاب پبلی کیشنز

سی۔اے۔۴۵ پیوپلس کالونی

کنکڑ باغ۔ پٹنہ۔ ۲۰

خوش نویس ــــــ ابوالکلام عزیزی

قیمت ــــــ ۲۰ روپے

www.taemeernews.com

نونو کے نام.....

www.taemeernews.com

قصبہ کا المیہ : ۹
قصبہ کی دوسری کہانی : ۱۹
مرگھٹ : ۲۹
باگمتی جب ہنستی ہے : ۳۷
سبز رنگوں والا پیغمبر : ۴۷
آخری سیڑھی کا مسافر : ۵۵
ٹوٹی دشاؤں کا آدمی : ۶۳
وہ : ۷۱
عکس عکس : ۷۹
ایک عکس اور : ۸۷
عکس تین : ۹۵
عکس چار : ۱۰۵
آدمی اور مین سونگ : ۱۱۵
بگولے : ۱۲۷

www.taemeernews.com

کچھ کہانیوں سے متعلق ....

رسول حمزہ توف کے اس خیال سے میں متفق ہوں کہ ادیب کو اس بھیڑیئے کی طرح ہونا چاہیئے جس نے خرگوش کو ہڑپ لیا ہے یا پھر اُس خرگوش کی طرح جو بھیڑیئے کے پنجے سے بچ نکلا ہے۔ اِس کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے خرگوش کو ہڑپ لیا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ بھیڑیئے کے پنجے سے بچ نکلا ہوں لیکن اپنی منتخب کہانیوں کا مجموعہ پیش کرتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ میں نے ٹوپی سے شتر مرغ نکالنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

مکمل ذہنی آزادی فن کار کی اصل پہچان ہے۔ ذہنی طور پر فن کار کسی پابندی کا قائل نہیں ہو سکتا لیکن گذشتہ بیس برسوں سے اُردو کے بعض ادیب جس طرح جدید ناقد کی ذہنی غلامی کر رہے ہیں مجھے اس پر حیرت ہے۔ کسی ادب پارے کو اپنے زاویہ نگاہ سے جانچنے اور پرکھنے کا حق نقاد کو ہے لیکن وہ فتویٰ صادر نہیں کر سکتا کہ ادیب کو کیا لکھنا ہے اور کیسے لکھنا ہے۔ ترقی پسندوں نے اگر نظریہ سازی

www.taemeernews.com

کی "کہ کیا" لکھنا ہے تو جدیدیوں نے بھی نظریہ سازی کی کہ "کیسے" لکھنا ہے۔ تخلیق کا عمل ایک قدرتی اور وجدانی عمل ہے جس میں شعور کا بھی حصہ ہے اور لاشعور کا بھی۔ صرف شعوری کوشش ادب میں عظیم فن پارے کو جنم نہیں دے سکتی۔ لیکن اردو افسانے کے تعلق سے جدید ناقدین اردو ادیبوں کے ذہن و شعور پر گذشتہ بیس برسوں سے پیرایۂ اظہار کی جو پابندی عائد کرتے رہے ہیں اسے میں ایک ادبی سازش کہوں گا۔ اِس سازش کے تحت صنفِ افسانہ کو ساتویں دہائی سے ہی گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی اور فارمولا بندی کا شکار بنایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچے ذہن کے افسانہ نگاروں کی ایک پوری کھیپ کہانیاں لکھنے کے بجائے گھوڑے اور شتر مرغ پیدا کرنے میں لگ گئی۔ اگر اس دوران کہانیاں لکھی گئی ہیں تو اتنی کم کہ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

ایسی بات نہیں ہے کہ میں علامتی کہانی کے حق میں نہیں ہوں۔ موضوع کے اعتبار سے کہانی اپنا اسلوب خود چُنتی ہے۔ اسلوب بیانیہ بھی ہو سکتا ہے اور علامتی بھی۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اگر کوئی کہانی بیانیہ اسلوب کا تقاضہ کرتی ہے تو افسانہ نگار ڈرتا ہے کہ کہانی آؤٹ ڈیٹیڈ کہلائے گی اور خواہ مخواہ کی علامتیں ٹھونس ٹھونس کر معمہ بنا کر خوش ہوتا ہے کہ اس نے نئی کہانی لکھ لی۔ نئی کہانی کے تعلق سے معنیاتی تہہ داری اور نئی حقیقت نگاری کی بھی باتیں کی جاتی رہیں۔ میں اس قسم کے کسی بھی تنقیدی فرمان کو نہیں مانتا ہوں۔ معنیاتی تہہ داری کہانی کا حُسن ہو سکتی ہے ضروری وصف نہیں۔ کسی بھی عبارت میں معنیاتی تہہ داری ڈھونڈی جا سکتی ہے اور زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا سکتے ہیں۔ کہانی کی خوبی یہ نہیں ہے کہ اس میں نئے نئے مفاہیم ڈھونڈے جائیں۔ یہ تو نقاد کا کمال ہے۔ کہانی کا کمال تو

www.taemeernews.com

اس وقت ہے جب اصل مفہوم قاری کی گرفت میں آجائے۔

حقیقت "نئی" نہیں ہوتی۔ حقیقت "پرانی" بھی نہیں ہوتی۔ حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔ مذہب نیا یا پرانا ہوسکتا ہے لیکن مذہب جس خدا کی تلاش کا وسیلہ بنا ہے کیا وہ خدا بھی نیا یا پرانا ہوسکتا ہے؟

ہم نے ترقی پسندوں کو کافی گالیاں دے لیں۔ اب جدیدیوں کی رسوائی کا دور بھی آگیا ہے۔ لیکن اس طرح کی دشنام طرازیوں کا میں قائل نہیں ہوں۔ ادب مسلسل ارتقا پذیر ہوتا ہے جس میں وقت کے ساتھ نظریاتی کشمکش جاری رہتی ہے۔

آخر میں اتنا کہہ دوں کہ اِس مجموعہ کو ۷۴ء میں ہی آجانا چاہئے تھا۔ اِس میں شامل دس کہانیاں ۷۰ء اور ۷۳ء کے درمیان شائع ہوئی تھیں۔ لیکن کچھ طبیعت کی بے نیازی اور کچھ پیشہ کی مجبوری ایسی رہی کہ میں نے ۷۴ء کے بعد ادب سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کرلی۔ تقریباً ۱۳ سالوں کی غیر معمولی خاموشی کے بعد اچانک ہی پھر اس دشت کی سیاحی میں نکل پڑا ہوں اور اس مجموعہ میں چار ایسی کہانیاں بھی شامل کرلی ہیں جو گذشتہ دو سالوں میں شائع ہوئی ہیں۔

کسی بھی نقاد کو پکڑ کر دو چار الفاظ بہ طور تمہید لکھوایا جاسکتا اور مجموعہ میں "چار چاند" لگائے جاسکتے تھے لیکن میں اس بات کا قائل ہوں کہ کہانی اگر خود نہیں بولتی تو دوسرے کہاں تک بولیں گے! اور اگر کہانی خود بولتی ہے تو اسکی آواز کو کب تک ان سنی کیا جاسکے گا...؟؟

شموئل احمد

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

قصبہ کا المیہ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

۱۱

پھر وہی موسم تھا۔ درندوں نے اپنے ناخن کتر لئے تھے۔ کتوں کی دُم رگالی تھی اور ہاتھوں میں کشکول لئے قصبہ میں دُم ہلا ہلا کر گشت کر رہے تھے۔ پورا قصبہ نقاروں کی آواز سے گونج رہا تھا۔ سبھی اپنے اپنے خیمہ میں اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

ایک موٹا سا درندہ دُم ہلاتا ہوا قریب سے گذر گیا تو اُس نے نفرت سے اپنی بھنویں سُکیڑ لیں۔

"یہ ہم سے ہماری بوٹیاں نوچنے کا اختیار مانگنے پھر پہنچ گئے ہیں۔"

"المیہ یہ ہے کہ ہم نے ہی انہیں جِلا بخشی ہے۔"

"یہ ہمارا خون پی رہے ہیں اور اپنی جسامت بڑھا رہے ہیں۔"

پھر اُس نے بندوق کی بات کی تو میں نے اسے خاموش کر دیا۔

"ہُش! کیا بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ فضا میں بارود کی بُو رچی رہے تو سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے۔"

ایسے موقع پر وہ ہمیشہ بندوق کی بات کر بیٹھتا تھا کہ درندوں نے جینا مشکل کر دیا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ کوئی بندوق دھاری مینار پر چڑھ کر.....

www.taemeernews.com

دراصل ہمارے قصبہ میں ایک عجیب و غریب اونچا مینار ہے۔ اِس مینار پر اگر کوئی چڑھ جاتا ہے تو اس کی ہیئت بدلنے لگتی ہے۔ اس کا پیٹ یکایک بڑھنے لگتا ہے اور جب پیٹ بڑھتا ہے تو ناخن بھی بڑھتے ہیں اور دانت بھی تیز اور نوکیلے ہونے لگتے ہیں اور تب اس کا استعمال بڑی چابکدستی سے ہونے لگتا ہے اور وہ ایسے ہی باکمال لوگ تھے جو بڑی چابکدستی سے ہماری بوٹیاں نوچنے میں لگے تھے اور المیہ یہ ہے کہ اس مینار کی تعمیر بھی خود ہم نے ہی کی تھی اور ہم ہی انہیں سہارا دے کر مینار کی بلندیوں پر پہنچاتے تھے....

اصل میں وہ کوئی اور نہیں .... وہ خود ہم ہیں .... ہم....

عجیب المیہ ہے کہ زمانہ دراز سے ہماری بوٹیاں نوچی جارہی ہیں۔ ایک زمانہ میں ہم پر گوریلے مسلط تھے اور جب گوریلوں سے قصبہ آزاد ہوا تو درندے چھا گئے تھے۔ ایک مدت گوریلوں نے راج کیا تھا اور اب درندے راج کر رہے ہیں۔ جب گوریلے مسلط تھے تو مختلف گوشوں سے کچھ قصبہ واسی اُٹھے تھے اور ان سے زور آزمائی کی تھی۔ لیکن گوریلے پھر بھی گوریلے تھے۔ انہوں نے سب کے پنجے مروڑ دیئے تھے۔ پھر ایک فقیر اُٹھا تھا۔ اس نے بڑی پرسکون جنگ گوریلوں سے لڑی تھی۔ ہاتھ باندھ کر... لیکن سینہ تان کر... آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر.... گوریلے قصبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن جاتے جاتے قصبہ کا ایک بازو کاٹ گئے تھے۔

گوریلے چلے گئے تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ ہر طرف خوشی اور شادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ خوب خوب جشن منایا گیا تھا۔ اب قصبہ آزاد تھا.... اور ہمارا تھا.... ہمارا اپنا قصبہ.... اب ہم کھلی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ تب سوال اُٹھا کہ قصبہ کا کاروبار کیسے چلے؟ کس کے ہاتھوں میں قصبہ کی باگ ڈور ہو....؟

تب یہ بات طے پائی کہ قصبہ کی باگ ڈور ہم قصبہ واسیوں کے ہی ہاتھوں میں رہے گی۔ قصبہ پر قصبہ واسی کے لئے قصبہ واسی کے ذریعہ قصبہ واسی ہی راج کریں گے۔

www.taemeernews.com

قصبہ میں بھانت بھانت کے چرند پرند تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی تھیں۔ طرح طرح کے پیڑ پودے تھے۔ رنگ برنگ کے پھول کھلتے تھے۔ اور تب ہم نے قصبہ کی مکمل دستاویز لکھی۔ طرح طرح کے رنگوں سے طرح طرح کے نقش و نگار بنائے کہ کسی رنگ میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ ہر رنگ قصبہ کا اپنا رنگ تھا۔ ہر پھول قصبہ کا اپنا پھول تھا۔ ہم آزاد تھے .... قصبہ آزاد تھا ....

اور تب ہم نے قصبہ کی دیکھ ریکھ کے لئے قصبہ کے وسط میں ایک اونچے مینار کی تعمیر کی۔ اس مینار سے پورے قصبہ پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ اس میں کئی خانے بنے ہوئے تھے۔ کسی خانے سے قصبہ کے دفاع کا انتظام ہوتا تھا کسی خانے سے قصبہ میں آمد و رفت پر نظر رکھی جاتی تھی۔ کسی خانے میں رسد اور آب یاری کا انتظام تھا اور ہمیں اختیار تھا کہ ہم جسے چاہیں مینار کی بلندیوں پر پہنچا دیں۔ اور جسے چاہیں بلندیوں سے نیچے اتار لیں کہ قصبہ ہمارا تھا۔ قصبہ کی باگ ڈور ہمارے ہاتھوں میں تھی۔

لیکن پتہ نہیں مینار کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ وقت کے ساتھ بے حد پُراسرار ہوتا گیا تھا۔ قصبہ کی دیکھ ریکھ کے لئے مینار کے خانوں میں بیٹھے اہل مینار کی آنکھیں وہاں کی تیز چکا چوند روشنی میں کچھ اس طرح چندھیا گئی تھیں کہ ان کو اب نہ قصبہ نظر آتا تھا نہ قصبہ واسی۔ وہاں کی مسحور کن ہواؤں کے جھونکوں میں وہ اپنے ہوش باقی نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہاں کی آب و ہوا میں ان کے پیٹ بڑھتے جا رہے تھے اور قصبہ واسیوں کے پیٹ دھنستے جا رہے تھے۔

اکثر ایسا ہوا کہ ہمارے اطراف میں ندیاں مسلسل بارشوں میں زور سے ہنس پڑی تھیں اور قصبہ واسی رو پڑے تھے۔ ہنستی ہوئی ندیاں ہماری جھونپڑیاں ہمارے مویشی بہا لے گئی تھیں۔ تب اہل مینار فضا میں پرواز کرتے ہوئے ہماری ڈوبتی کشتیوں کا منظر دیکھتے اور پھر مینار سے اناج کی تقسیم کا اعلان ہوتا۔ اہل مینار مٹھی بھر اناج قصبہ میں چھینٹ دیتے اور بوریاں گھر لے جاتے۔

ایک بار ایک اہل مینار نے قصبہ کی حفاظت کے لئے آہنگر کی دکان سے کچھ ہتھیار خریدے

www.taemeernews.com

سارے ہتھیار زنگ آلود تھے۔ دراصل آہنگر نے ان کے گھروں میں اناج کی بوریاں پہنچا دی تھیں۔ روز بہ روز اُن کی کوٹھیاں اناج سے بھر رہی تھیں۔ جب مینار سے نیچے اُترنے کا موسم آتا تو وہ اپنے ناخن کتر لیتے اور کتوں کی دُم لگا کر ہاتھوں میں کشکول لئے قصبہ میں دُم ہلا ہلا کر گشت کرتے۔ ایک ایک قصبہ واسی کو وہ حسرت سے دیکھتے۔ منت سماجت کرتے۔ اناج کی بوریوں کے منہ کھول دیتے۔ قصبہ واسیوں کو یقین دلاتے کہ وہ ان کے بہت بڑے بہی خواہ ہیں۔ وہ بس ان کے کشکول بھر دیں۔ گشت کے آخر میں جس کا کشکول سب سے زیادہ بھرا ہوا ہوتا اسے مینار پر جانے کا اختیار مل جاتا۔

اِن میں سے کئی ایک نے تو خطرناک بھیڑیئے بھی پال رکھے تھے جو اِس موسم میں ان کے ساتھ گشت لگاتے۔ ہر قصبہ واسی کشکول بھرنے کے لئے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا لیکن یہ بھیڑیئے ان کی طرف سے خود کشکول بھر دیتے۔ اکثر ان میں جھڑپیں بھی ہوتیں۔ خون خرابہ بھی ہوتا۔ لیکن جس کا کشکول سب سے زیادہ بھرا ہوا پایا جاتا اس کے نام کا اعلان کر دیا جاتا۔ حد تو یہ تھی کہ کشکول بھیڑیئے بھرتے تھے اور اعلان ہوتا کہ قصبہ واسیوں نے پوری پوری دلچسپی لی ہے اور کشکول بھر کر اپنے بنیادی حق کا آزادانہ استعمال کیا ہے۔ لیکن قصبہ واسی کر بھی کیا سکتے تھے کہ یہ روایت تو خود....

دور کہیں پھر نقارہ بجنے لگا تھا۔ کسی خیمہ سے آواز آ رہی تھی۔

"آئیے آئیے۔ اِس خیمے میں آئیے۔ یہی قصبہ کا اصلی خیمہ ہے.... آپ کا اپنا خیمہ.... اِس کی طنابیں مضبوط کیجئے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر ہم خیمہ زن ہو گئے اور مینار پر چڑھ گئے تو قصبہ کو خوب خوب فروغ دیں گے...."

اور یکایک وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"ہا ہا ہا.... قصبہ کو خوب فروغ دیں گے.... ہا ہا ہا.... اِس سے بڑا مذاق اور کیا ہوگا....؟ ہا ہا ہا...."

وہ زور زور سے ہنسنے لگا اور دیر تک ہنستا رہا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

www.taemeernews.com

پھر یکایک، اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"یہ درندے قصبہ کو فروغ کیا دیں گے۔؟ یہ صرف اپنی جسامت بڑھائیں گے۔۔۔"

پھر وہ چُپ ہوگیا۔ اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ ایک غیبت، بے بسی اس کے چہرے پر کھیلنے لگی۔

"عجیب المیہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ہماری بوٹیاں نوچیں گے لیکن پھر بھی ہم ان کے کشکول بھرتے ہیں۔"

پھر اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"کدھر جارہا ہے ہمارا قصبہ۔۔۔ کدھر جارہا ہے۔۔۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بند ہوگئیں۔ تب میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"تم واقعی سچے قصبہ پرست ہو۔ کتنا درد ہے تمہارے دل میں قصبہ کے لیے۔۔۔"

تب یکایک بڑے جوش میں اس نے کہا۔

"اگر میں بندوق دھاری ہوتا تو سچ کہتا ہوں ایک، ایک کو بھون کر رکھ دیتا۔۔۔"

"تم خود کیوں نہیں مینار پر چڑھ جاتے ہو۔ ہم سب تمہارا کشکول بھر دیں گے۔"

وہ چپ رہا۔

"تم اپنے نام کا اعلان کردو۔ کم سے کم ایک قصبہ پرست تو وہاں ہوگا۔"

اس نے حامی بھر لی اور اپنے نام کا اعلان کردیا۔ ہم نے اس کے کشکول بھر دیے۔ وہ مینار پر چڑھ گیا۔ اُسے ایک اہم خانے میں جگہ بھی مل گئی۔ ہم بہت خوش تھے کہ کم سے کم قصبہ کا ایک گوشہ تو ضرور فروغ کرے گا۔

پھر ایسا ہوا کہ میں جہاں کام کرتا تھا وہاں سے مجھے ایک دور دراز علاقہ میں جانے کا حکم ملا۔ میرا بچہ بیمار تھا۔ میں وہاں فی الحال جانا نہیں چاہتا تھا لیکن حکم نامہ مینار سے ملا تھا لہٰذا اجازت

www.taemeernews.com

ضروری تھی۔

میں اس سے ملنے مینار پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہر کوئی ایک نہ ایک مسئلہ لئے وہاں موجود تھا۔ وہ بے حد مصروف تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح میں اس سے ملنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ مجھے پوری اُمید تھی کہ وہ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملے گا۔ لیکن جب مجھے اس نے چند صیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تو مجھے بہت حیرت ہوئی۔ مجھے لگا جیسے وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

"کیوں ۔۔؟ پہچانا ۔۔؟ میں ہوں .... میں ...!"

"اوہ ! .... اچھا .... اچھا .... کیسے آنا ہوا ۔۔؟"

"میرا تبادلہ دور دراز علاقہ میں ہوگیا ہے ...."

"تو چلے جاؤ۔"

"لیکن میں جانا نہیں چاہتا۔"

"کیوں ۔۔؟ کیا بنجر علاقہ ہے ....؟" وہ مسکرایا تو اس کی یہ مسکراہٹ مجھے بے حد عجیب لگی۔

تب میں نے غور سے اس کو دیکھا۔ اس کے خدوخال کافی بدل گئے تھے۔ وہ پہلے سے بہت موٹا ہوگیا تھا۔ پیٹ بھی آگے نکل آیا تھا۔ ناخن بھی بڑھ گئے تھے۔ پھر یکایک، سرگوشیوں کے انداز میں اس نے مجھ سے کہا۔

"بنجر علاقہ میں جا کر کیا کروگے؟ میں تمہارے حکم نامہ میں تبدیلی کر دیتا ہوں اور تمہیں نزدیک ہی کہیں کسی خوب ہرے بھرے علاقے میں بھیج دیتا ہوں۔ فصلیں خوب کاٹوگے ...."

"ہی .... ہی .... ہی ...." وہ اس طرح ہنسنے لگا جیسے آری چلا رہا ہو۔

اور تب میں نے دیکھا اُس کے دانت بھی بے حد تیز اور نوکیلے ہو گئے تھے۔ پھر اس نے چپکے سے کہا۔

www.taemeernews.com

"تم کچھ اناج کی بوریاں پہنچا سکتے ہو؟"

"اناج کی بوریاں ...."

اور مجھے لگا میں مینار کے کسی خانے میں نہیں سنھ بند غار میں بیٹھا ہوا ہوں اور اب یہ اپنے تیز پنجوں سے میری بوٹیاں نوچے گا۔

اور دفعتاً اُس نے اپنے تیز پنجے میرے بازوؤں میں گڑا دیے۔

"نہیں کم سے کم اناج کی ایک ہزار بوریاں دینا پڑیں گی ...."

"ایک ہزار اناج کی بوریاں ... لیکن میں بہت کم حیثیت کا آدمی ہوں۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں۔؟ میرے اوپر بھی کچھ لوگ ہیں۔ پانچ سو تو میں وہاں دے دوں گا... اور پھر مینار سے اُترنے کا موسم بھی آرہا ہے ... قصبہ میں گشت لگانے کے لئے کچھ اناج کی بوریاں بھی چاہئے .... ورنہ ...."

"اور پھر تم بھی تو فصلیں خوب کاٹو گے ... ہی .... ہی .... ہی ...."

میں مینار سے لڑکھڑاتا ہوا نکلا تو میرے بازوؤں کا گوشت ادھڑ گیا تھا۔ میرا بچہ بیمار تھا۔ میں دور دراز علاقہ میں فی الحال جا نہیں سکتا تھا۔ میں نے اناج کی بوریوں کا انتظام کر دیا۔

اب میں خوب ہرے بھرے علاقے میں کام کر رہا ہوں۔ فصلیں خوب ہوتی ہیں۔ فصلیں خوب کاٹ رہا ہوں۔ میری کوٹھیاں اناج سے ٹھسم ٹھس ہو گئی ہیں۔ سبھی حیران ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں اس طرح فصلیں کاٹنے کے الزام میں مجھے کبھی کچھ نہیں ہو گا کیوں کہ کاٹی ہوئی فصلوں میں سے کچھ میں وہاں بھی پہنچاتا رہتا ہوں۔ اگلے موسم میں اس کا کشکول پھر بھرے گا کیوں کہ اُس نے تو اب بھیڑیئے بھی پال رکھے ہیں۔ اور اگر کشکول نہ بھی بھرے تو کیا ہوا۔؟ مینار پر کوئی بھی خیمہ زن ہو کیا فرق پڑتا ہے؟ ...؟ وہاں کی فضا ہی جادوئی ہے ....

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

قصبہ کی دوسری کہانی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اُس کی ماں مرگئی تھی۔ اور مرتے مرتے اس کے ماتھے پر داغ تلک لگا گئی تھی۔

وہ خلیفہ چن لیا گیا تھا۔

خلیفہ بنتے ہی اس نے عہد کیا کہ اپنے ناخن بڑھنے نہیں دے گا۔ اور دوسروں کے ناخن بھی کترتا رہے گا۔ اس کو شدت سے احساس تھا کہ ماحول پراگندہ ہے اور صفائی ضروری ہے۔

خلیفہ کو داغ دار چہرے پسند نہیں تھے۔ بوڑھے اور ناتواں چہروں سے بھی وہ کوئی کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے خیمے میں کچھ چہرے ایسے بھی تھے جن سے ریاکاری اور ہوس کاری ٹپکتی تھی وہ ایسے تمام چہروں سے اپنی پنچایت کو پاک رکھنا چاہتا تھا۔ خلیفہ کو ان کی ضرورت تھی جو صحت مند دل و دماغ کے حامل تھے اور دور درشٹی کڑی محنت اور سچی لگن جن کا شیوہ تھا۔

اس نے خلافت کی باگ ڈور ایسے وقت میں سنبھالی تھی جب قصبہ ایک نازک دور سے گذر رہا تھا۔ غریبی ہٹانے کی انتھک کوششوں کے باوجود بھی لوگ غریب سے غریب تر ہو گئے تھے۔ بڑی بڑی صنعتیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک عرصہ سے بڑے بڑے منصوبے چلائے جا رہے تھے۔ لیکن قصبہ ابھی تک پچھڑا ہوا تھا۔ کارخانوں میں پیداوار نہیں تھی۔ قصبہ کے اِس گوشے سے اُس گوشے تک برقی تار دوڑا دیئے گئے تھے لیکن روشنی کا بھروسہ نہیں تھا۔ لوگوں کو اب بھی چراغوں سے کام لینا پڑتا تھا۔

www.taemeernews.com

بڑے بڑے باندھ باندھے گئے تھے۔ لیکن ندیاں ابھی تک رام نہیں ہو سکی تھیں۔ ہر سال باڑھ اور سوکھے کا منظر دیکھنے کو ملتا تھا۔ مہنگائی، بے روزگاری اور غریبی دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سبھی حیران تھے کہ قصبہ کو آخر کون سا روگ لگ گیا ہے۔

وہ ایک آزاد اور خود مختار قصبہ تھا اور مختلف حلقوں میں بٹا ہوا تھا۔ قصبہ والسی اپنے اپنے حلقے سے ایک ایک ٹوپی دھاری کا انتخاب کرتے تھے پھر یہ ٹوپی دھاری آپس میں ایک خلیفہ چنتے تھے تب خلیفہ قصبہ کی دیکھ ریکھ کے لئے ایک پنچایت، کا گٹھن کرتا تھا جس میں ان ٹوپی دھاریوں کو کرسی پیش کی جاتی تھی جو اس کے بھروسے کے آدمی ہوتے تھے۔

قصہ گو کہتا ہے کہ عورت کے نشہ سے بڑھ کر کرسی کا نشہ ہوتا ہے۔ کرسی تک پہنچنے کے لئے ہر ٹوپی دھاری ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا تھا۔ کبھی کبھی ایک ہی خیمے میں دو خیمے ہو جاتے تھے۔ خوب دھا چوکڑی مچتی تھی۔ گہری گہری چالیں چلی جاتی تھیں۔ ایک دوسرے کو کرسی سے نیچے اُتار لینے کی تگڑم بازیاں ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ کرسی کی لالچ میں بعض ٹوپی دھاری اپنی ٹوپی بدل کر دوسرے خیمے میں چلے جاتے تھے۔ ایک ہی مقصد ہوتا تھا۔ کسی طرح کرسی دھاری بن جاؤ۔ پھر تو چاندی تھی۔ پانچوں انگلیاں گھی میں ہوتی تھیں۔

ہر ٹوپی دھاری کو کرسی پیش نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن بعض دفعہ عقلمند خلیفہ انہیں خوش رکھنے کے لئے کسی نہ کسی ادارے کا سربراہ بنا دیتا تھا تاکہ وہ اپنا حصہ تازہ کرتا رہے ورنہ وہ بگڑ کر دوسرے خیمے میں بھی جا سکتا تھا، اور اس کی کرسی اُلٹنے کی سازش کر سکتا تھا۔

قصہ گو کہتا ہے کہ خود مختاری کی اس روایت کو آہستہ آہستہ مکر و فریب کا گھن لگ چکا تھا اور یہ جھوٹی روایت ہی قصبہ کی زبوں حالی کا باعث تھی۔

ٹوپی دھاریوں کے انتخاب میں بے حد خرچ ہوتا تھا۔ اتنی لاگت پر بڑے بڑے کارخانے کھولے جا سکتے تھے جن میں ہزاروں کو روزگار مل سکتا تھا۔ انتخاب کا خرچ پورا کرنے کے لئے قصبہ والے

www.taemeernews.com

پر نئے نئے ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ قیمتوں میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ لیکن خود مختاری کے بھرم میں پڑے ہوئے قصبہ والے اس راز کو ابھی تک سمجھ نہیں پائے تھے کہ یہ سارا خرچ ان کی جیب کتر کر ہی پورا کیا جاتا ہے اور پھر یہ انتخاب محض نام کے لئے ہی انتخاب تھا۔ منتخب وہی ہوتے تھے جن کو اکثریت نہیں چاہتی تھی۔

انتخاب کا موسم خون خرابے کے بغیر نہیں گذرتا تھا۔ ہر ٹوپی دھاری ہتھیاروں سے لیس لٹیروں کی جماعت کے ساتھ چلتا تھا۔ یہ لٹیرے زور زبردستی پر آمادہ رہتے تھے اور جو جہاں بھاری پڑتا تھا انتخاب اسی کے حق میں ہوتا تھا۔ ہر لٹیرے کو کسی نہ کسی ٹوپی دھاری کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اور ان کے بل بوتے پر یہ دن دھاڑے بھی لوٹ مار اور قتل و غارت میں لگے رہتے تھے۔ لٹیروں کو اگر حفاظتی دستہ پکڑتا بھی تھا تو ٹوپی دھاری اپنے اثر رسوخ سے انہیں چھڑا لیتے تھے۔ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ تھا اور یہی وجہ تھی کہ قصبہ میں اب کسی کے جان و مال کی حفاظت نہیں تھی۔ راہ چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔

ٹوپی دھاریوں کا بول بالا تھا ان کا ہر جگہ اثر رسوخ تھا۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا نہ ان پر کوئی اثر تھا اور نہ ان کو اس کی کوئی فکر تھی۔ کیونکہ تمام سہولتیں ان کو مفت میسر تھیں .... روشنی ..... دھوپ .... ہوا .....

انتخاب کے موسم میں چونکہ ان کو لاکھوں خرچ کرنا پڑتا تھا اس لئے یہ لاکھوں کے جٹانے کی ہی فکر میں لگے رہتے تھے اور لاکھوں جٹانے کے لئے یہ صرف چاندی کی زبان سمجھتے تھے۔ چاندی کی زبان بولتے تھے۔ چاندی کھاتے تھے چاندی پیتے تھے، ان میں چاندی کی فصلیں اُگانے کی ہوڑ لگی رہتی تھی۔ اور المیہ یہ تھا کہ ان سے کوئی حساب کتاب لینے والا نہیں تھا۔ کوئی پوچھ گچھ نہیں تھی۔ آج تک سننے میں نہیں آیا تھا کہ کسی کرسی دھاری سے اس کے کالے کرتوتوں کا کوئی لیکھا جوکھا مانگا گیا ہو، ان پر مقدمہ چلایا گیا ہو یا انہیں سلاخوں کے پیچھے باندھ دیا گیا ہو۔ یہ لاکھوں روپے

www.taemeernews.com

کہاں سے آتے ہیں اور کہاں خرچ کیے جاتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا جبکہ ایک عام قصبہ واسی کو اپنی پائی پائی کا حساب دینا پڑتا تھا۔ اس کی آمدنی کی ایک حد باندھ دی گئی تھی۔ اور اس حد سے زیادہ اس کے خون پسینے کی کمائی بھی ضبط کرلی جاتی تھی۔ کرسی دھاری آزاد تھے، قصبہ ان کا غلام تھا۔

خلیفہ قصبہ کی اس صورت حال سے واقف تھا۔ وہ ابھی جوان تھا۔ اس کے دل میں جوش اور حوصلہ تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ فضا کو صاف ستھرا کرے گا اور قصبہ کو فروغ دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھے گا۔ لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ قصبہ میں مکر و فریب، جور بازاری، رشوت خوری اور ریاکاری کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ ان کا ایک بارگی صفایا ٹیڑھی کھیر تھا، پھر بھی خلیفہ کے ارادے بلند تھے۔ قصبہ کی ایک بھاری اکثریت اس کے ساتھ تھی۔ سبھوں نے ایک رائے ہوکر اس کو خلافت کی بھاری بھرکم کرسی پیش کی تھی۔ وہ بھی کسی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ جی جان سے اپنے مقصد کی تکمیل میں جُٹ گیا۔

اس کی ماں نے یہ بات بتلائی تھی کہ انوشاسن ہی قصبہ کو مہان بناتا ہے۔ خلیفہ بھی کڑائی سے انوشاسن کا پالن کرنا چاہتا تھا۔ اپنی مہم کے پہلے دور میں اس نے پنچایت سے یہ بات منوالی کہ کوئی بھی ٹوپی دھاری اپنا خیمہ بدل نہیں سکتا۔ اگر خیمہ بدلے گا تو ٹوپی اُتارنا پڑے گی اور پھر سے قصبہ واسیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ قصبہ واسی اس کو کسی مخصوص خیمے کا آدمی سمجھ کر ٹوپی پہناتے تھے اپنے ذاتی مفاد کے لئے خیمہ بدلنا ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا تھا۔ سبھوں نے خلیفہ کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ قصبہ واسیوں کو خلیفہ سے امیدیں اور بڑھ گئیں۔

خلیفہ نے جب اپنے دور خلافت کے پہلے سال میں پہلی بار قصبہ کے آمد و خرچ کا حساب و کتاب پیش کیا تو اس کی آنکھیں آبدیدہ تھیں۔ قیمتوں میں بیش بہا اضافہ کرنا پڑا تھا خصوصاً آمد و رفت پر کئی گنا خراج بڑھا دیا گیا تھا۔ جس کا مطلب تھا بڑھتی ہوئی قیمتوں میں مزید اضافہ۔ یہ خراج

www.taemeernews.com

خسارہ پورا کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔

اور قصہ گو بیان کرتا ہے کہ یہ خسارہ کرسی والوں کی اپنی کوتاہیوں اور لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ تھا۔ جس کا خمیازہ ہمیشہ قصبہ واسیوں کو بھگتنا پڑتا تھا۔ دراصل لوٹ کھسوٹ کی وبا اب عام ہو چکی تھی، ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کو نوچنے میں لگا ہوا تھا جس کی باتوں میں چاندی کی کھنک نہیں تھی اس کی باتیں سننے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق سبھوں نے ناخن بڑھا رکھے تھے۔ کرسی دھاری سب سے زیادہ طاقت ور تھے۔ ان کی حیثیت سب سے بڑھ کر تھی۔ اس لئے ان کے ناخن بھی سب سے تیز تھے۔ وہ ہمیشہ لمبا ہاتھ مارتے تھے۔ اونچی کرسی سے لے کر چھوٹی کرسی تک، ان سبھوں کا اپنا اپنا حصہ تھا۔ مٹھیاں گرم کرنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ مٹھیاں گرم ہونے کے بعد ہی اہل کرسی قلم پکڑتے تھے۔ ورنہ ان کا قلم الٹا بھی چل سکتا تھا اور سوالی کی گردن تک ریت سکتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ تمام منصوبے خسارے میں چل رہے تھے اور اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے قصبہ واسیوں کی کمر توڑی جاتی تھی۔

قصہ گو آگے بیان کرتا ہے کہ شروع شروع میں تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک چلتا رہا لیکن ایک ایک دن خلیفہ نے محسوس کیا کہ اس کی روک تھام سے اس کے ہم نشیں کچھ اُکھڑے اُکھڑے سے رہنے لگے ہیں۔ ان کو تشویش ہونے لگی کہ اتنا لٹا کر وہ جو کرسی تک پہنچے ہیں اس کا خسارہ کیسے پورا ہوگا۔ اس خسارے کو پورا کرنے اور آئندہ انتخاب کا خرچ جٹانے کے لئے دونوں ہاتھوں سے بٹورنا ضروری تھا۔ اور یہاں خلیفہ ناخن کترنے پر مصر تھا۔ بڑے بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کو فکر تھی کہ آئے دن وہ کثیر رقمیں چندہ کی شکل میں دیتے ہیں اور اگر ان کی مرضی کے مطابق کام نہیں ہوا تو سب گڑ مٹی ہو جائے گا۔

قصہ گو بیان کرتا ہے کہ ہر طرف سے خلیفہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی جانے لگی۔ کرسی دھاری پھر لوٹ کھسوٹ کی طرف راغب ہونے لگے۔ خلیفہ کو موقع کی نزاکت کا احساس ہونے لگا تھا۔

www.taemeernews.com

وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر اس نے زیادہ سختی سے کام لیا تو اس کے ہم نشیں اس سے آنکھیں بھی پھیر سکتے ہیں۔

تب خلیفہ نے تھوڑی بہت ڈھیل دینا شروع کی۔ اور جب اس نے ڈھیل دینا شروع کی تو ناخن اور تیز ہونے لگے۔ اور ایک دن خلیفہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے دور خلافت میں بھی معمول میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ قیمتیں اسی طرح آسمان چھو رہی ہیں جان و مال کی حفاظت اسی طرح مشکل ہے۔ حادثوں میں مسافروں کی جانیں اسی طرح جا رہی ہیں کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ حالات بدستور وہی ہیں۔

اور خلیفہ یہ دیکھ کر اُداس ہو گیا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پا رہا ہے۔ خود اس کے ہم نشیں اس کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ تب خلیفہ کو یہ احساس ہوا کہ یہ نظام ہی مکروہ ہے اور جب تک یہ نظام رہے گا ناکارہ ٹوپی دھاریوں کا ایک جم غفیر بھی ساتھ رہے گا جو اپنے مکروہ ناخنوں سے قصبہ کی جڑیں کھودنے میں لگا رہے گا۔ خلیفہ نے محسوس کیا کہ اس نظام میں بنیادی تبدیلی ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر حلقہ سے ٹوپی دھاریوں کے انتخاب کی ضرورت نہیں ہے۔ قصبہ والے صرف مرکز میں ایک خلیفہ کا انتخاب کریں۔ پھر خلیفہ ایک ایسی پنچایت کا گٹھن کرے جس میں صاف ستھرے اور باصلاحیت لوگ ہی کرسی کے حقدار ہوں۔ خلیفہ کو یقین تھا کہ اس کے اس فیصلہ کا قصبہ والے تہہ دل سے استقبال کریں گے۔ لیکن دقت یہ تھی کہ وہ اچانک ہی اس بات کا اعلان کس طرح کرے۔ کیونکہ ٹوپی دھاریوں کے حلق میں یہ بات کسی طرح اُتر نہیں سکتی تھی۔ اور وہ اس کو ایسا کرنے کا کوئی موقع بھی نہیں دے سکتے تھے۔

ادھر ٹوپی دھاری اپنے خلیفہ کا یہ ارادہ بھانپ رہے تھے۔ ان میں چہ می گوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی کرسی طرح کھونا نہیں چاہتے تھے۔ آہستہ آہستہ ماحول میں ایک عجیب سا تناؤ چھانے لگا تھا۔ اب خلیفہ کو محسوس ہونے لگا کہ اس کے خلاف خفیہ سازشیں بھی ہونے لگی ہیں۔

www.taemeernews.com

اور ایک بار خود خلیفہ کو اپنی بھاری بھرکم کرسی ہلتی ہوئی نظر آئی تو ....

تو قصہ گو کہتا ہے کہ عورت کے نشہ سے بڑھ کر کرسی کا نشہ ہوتا ہے۔

کرسی بچانے کے لئے سخت گرفت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سخت گرفت کے لئے مضبوط پنجے ضروری ہیں۔

اور قصہ گو آگے یوں بیان کرتا ہے کہ ....

سبھوں نے دیکھا کہ کرسی پر خلیفہ کی گرفت .....

اور سبھوں نے دیکھا کہ خلیفہ کے اپنے ناخن بھی ....

آگے قصہ گو چپ ہے۔ کچھ نہیں کہتا، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مرگھٹے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

لاش اُٹھائی گئی تھی.....

اونٹ کے گھٹنے کی شکل کا وہ آدمی اب بھی وہاں موجود تھا۔ اس کے چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں اور گال قبر کی طرح اندر دھنسے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کسی نے چہرے کی جگہ ہڈیاں رکھ کر چمڑی لپیٹ دی ہو۔ آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور کنپٹیوں کے قریب آنکھ کے گوشے کی طرف کوّوں کے پنجوں جیسا نشان بنا ہوا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک ٹک خلا میں دور کہیں گھور رہا تھا....

میں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گھر چلنے کی بات کی تو اس نے مری ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور ایک لمبی سانس لی جیسے تازہ ہواؤں کو پھیپھڑوں میں بھرنا چاہتا ہو.... لیکن بارود کی بُو اُس کے نتھنوں میں گھس گئی اور بارود کے ذرات جیسے حلق میں پھنس گئے.... وہ کھانسنے لگا اور مسلسل کھانسنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔ آنکھیں حلقوں سے باہر اُبلنے لگیں۔ چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا۔ میں جلدی جلدی اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔ مسلسل کھانسنے سے اس کے منھ میں بلغم بھر آیا تھا۔ کسی طرح اس کی کھانسی رُکی تو آستین سے منھ پونچھتے ہوئے اُس نے کہا۔

www.taemeernews.com

"اب تو سانس لینا بھی ....."

تب، میں نے پوچھا تھا کہ مرنے والا اس کا رشتہ دار تو نہیں تھا۔ میری اس بات پر اس کی مُردہ آنکھوں میں ایک لمحہ کے لئے چنگاری سی سلگی تو مجھے لگا میرا یہ سوال یقیناً بے تکا تھا۔ جہاں روز کا یہ معمول ہو وہاں یہ بات واقعی کیا معنی رکھتی تھی کہ کون کس کا.....

دراصل اس علاقہ میں ایک مدّت سے آسمان کا رنگ گہرا سُرخ ہے۔ ہر طرف آگ برستی ہے۔ ہواؤں میں سانپ اُڑتے ہیں۔ ان کا سر کچلنے کے لئے راجہ کے سنتری بکتر بند گاڑیوں میں گھومتے رہتے ہیں لیکن زمین سخت اور آسمان دور ہے اور کب کون کس موڑ پر زد میں آجائے کہنا مشکل ہے۔

ابھی ابھی ایک آدمی زد میں آگیا تھا۔ اور سب کچھ حسب معمول چشم زدن میں ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ ایک دکان سے سبزیاں خرید رہا تھا کہ ایک گاڑی رکی تھی.... دو سوار اُترے تھے..... ایک دھماکہ ہوا تھا.... اور سبزیاں خریدنے والا اُسی پل.....

دونوں سوار دیکھتے دیکھتے نگاہوں سے کہیں اوجھل ہو گئے تھے۔ تب گشت لگاتے ہوئے راجہ کے سنتری بکتر بند گاڑیوں میں آئے تھے اور لاش اُٹھالی گئی تھی۔ وہاں پر گرا ہوا خون دھوپ کی پیلی روشنی میں اب بھی کہیں کہیں جم کر تازہ کلیجی کی مانند چمک رہا تھا۔

..... پھر بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔ دکانوں کے شٹر گرنے لگے تھے اور دیکھتے دیکھتے سناٹا چھا گیا تھا۔

ہم خاموشی سے سر جُھکائے ایک طرف چلنے لگے۔ سڑک دور تک سنسان تھی۔ دونوں طرف وحشت زدہ عمارتیں گُم سُم سی خاموش کھڑی تھیں.... یکایک دور کہیں کسی کتے کے رونے کی آواز ایک لمحہ کے لئے فضا میں کریہہ چیخ بن کر اُبھری اور ڈوب گئی۔ اس نے وحشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

www.taemeernews.com

پھر اُس نے آہستہ سے کہا تھا۔

"یہ مرگھٹ ہے .... ہم مرگھٹ کے لوگ ہیں ...."

"ہاں .... یہ مرگھٹ ہے .... یہاں سب اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں ...."

میں نے بھی جواب میں ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

ایک بکتر بند گاڑی زناٹے بھرتی ہوئی قریب سے گذر گئی۔

"بچارے راجہ کے سنتری ...." وہ ہنسنے لگا۔

"راجہ کیا کرے .....؟"

"وہ کر بھی کیا سکتا ہے ....."

"راجہ خود جانتا ہے وہ کچھ نہیں کر سکتا ....."

"اس طرح جینے کا کیا مطلب ہے ....؟"

"اور اس طرح مرنے کا بھی کیا مطلب ہے ....؟"

ہم نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سامنے الکٹرک پول کے قریب ایک خارش زدہ کتا پیٹ میں منھ چھپائے سو رہا تھا۔ ناگہاں ہی مکان میں زندگی کے آثار نظر آئے .... ایک کھڑکی کھلی۔ کسی نے باہر تھوکا اور کھڑکی بند ہو گئی۔ تے نے ایک بار سر اُٹھا کر آواز کی سمت دیکھا اور پھر سو گیا۔

سناٹا یکایک پُر ہول ہو گیا تھا۔ ہوائیں سہمی سہمی سی گذر رہی تھیں۔ درختوں کے پتے کسی ں کی طرح کروٹ بدل رہے تھے۔ سنتری کی گشت لگاتی ہوئی گاڑیاں کبھی پاس معلوم ہوتی تھیں کبھی دور .... مستقل گھوں گھوں کی ان کی آواز سناٹے کا ایک حصہ سی بن گئی تھی۔

یکایک وہ چلتے چلتے رک گیا اور خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے ردہ نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور اپنی کانپتی ہوئی سرد انگلیوں سے مجھے چھوا تو میں سہم گیا۔

www.taemeernews.com

مجھے ایک جھرجھری سی محسوس ہوئی۔

"کتنا کریہہ اور بھدّا ہے یہ منظر... خوف سے کانپتے ہوئے ہم...."

"کیا ہم موت سے لڑ رہے ہیں....؟"

ہم ہر لمحہ.... ہر پل.... زندگی کی بھیک مانگ رہے ہیں.... اور دونوں میں فرق ہے...."

پھر اس نے یکایک اپنی سرد انگلیوں کی گرفت میرے بازوؤں پہ سخت کرتے ہوئے کہا۔

"جانتے ہو کیا ہوتا ہے جب موت منھ پر تھوک کر زندگی بخش دیتی ہے...."

میں خوف اور حیرت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

پھر لمحہ بھر توقف کے بعد دور جیسے خلا میں گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے ساتھ یہی ہوا ہے.... اُس بس میں میں بھی سوار تھا.... سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ ایک موڑ پر بس رُکی تھی اور اُنہوں نے بندوقیں تان لی تھیں۔ میں اپنی سیٹ میں دبک گیا تھا..... وہ تڑاتڑ کھوپڑیوں میں سوراخ کر رہے تھے۔ موت بالکل میرے سامنے کھڑی تھی اور میں کونے میں دبکا ہوا موت سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا.... اور میں بچ گیا.... موت میرے منھ پر تھوک کر چلی گئی۔ ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکی...."

"ہم کیوں نہیں یہ علاقہ چھوڑ دیں....." میں نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا ـــــ؟"

"پھر ـــــ؟"

اُس نے ایک لمحہ کے لئے میری آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ ابھی ابھی اس موڑ پر جو آدمی مرا ہے وہ کوئی اور نہیں خود تم ہو...."

میں خاموش رہا۔

"تم نہیں سمجھو گے.... اس لئے کہ تم ان لوگوں میں ہو جو علاقہ چھوڑنے کی بات کرتے ہیں...."

www.taemeernews.com

تب میں نے ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور مارنے والا . . . . کیا مارنے والا دوسرا ہے . . . . ؟"

"آہ ـــــ !" وہ تڑپ کر خاموش ہو گیا۔

"یہی بنیادی فرق ہے میرے دوست . . . . یہی بنیادی فرق ہے . . . ."

"پھر ـــــ ؟"

"پھر کیا ـــــ ؟"

"ہم کیا کریں ـــــ ؟"

"ہم کیا کر سکتے ہیں ـــــ ؟"

"اور راجہ ـــــ ؟"

"راجہ بھی کیا کر سکتا ہے ـــــ ؟"

"ہاں راجہ بھی کیا کر سکتا ہے ـــــ ؟" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"شاید ہماری طرف آسمان کا رنگ اسی طرح سُرخ رہے گا ـــ"

"اور ہواؤں میں سانپ اُڑتے رہیں گے . . . . . "

"اور فضا میں بارود کی بُو رچی رہے گی . . . . . "

"اور راجہ کے سنتری بکتر بند گاڑیوں میں گھوما کریں گے . . . . "

"ہم روئے زمین کے انتہائی کریہہ اور بھدے لوگ ہیں . . . "

"خوف سے کانپتے ہوئے لوگ . . . . . "

"ہر لمحہ . . . . ہر پل زندگی کی بھیک مانگتے ہوئے . . . . "

"ہماری باری کب آئے گی ـــــ ؟"

"ہماری باری ـــــ ؟" یکایک اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر

www.taemeernews.com

زہریلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کبھی بھی آسکتی ہے ـــــ ابھی اِس وقت بھی .... یہ مرگھٹ ہے .... یہاں سب اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں ...."

یکایک سامنے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ دو سوار تھے۔ گاڑی قریب رُکی تو میں سکتے میں آگیا یہ وہی لوگ تھے۔ ان کے کندھے سے بندوقیں لٹک رہی تھیں۔ مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے لگا اب یہ بندوق تان لیں گے.... میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ خون کی گردش یکایک تیز ہوگئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ خوف سے کانپتے ہوئے اِن لمحوں میں میں نے یکایک محسوس کیا کہ میری ہیئت تیزی سے بدل رہی ہے اور خود میں بھی جیسے اونٹ کے گھٹنے ہیں....

یکایک ایک دھماکہ ہوا اور ایک گولی سنسناتی ہوئی میرے کان کے قریب سے گذر گئی ۔ میں اُچھل کر دور ہٹ گیا۔ پھر دوسرا دھماکہ ہوا اور اونٹ کے گھٹنے کی شکل کا وہ آدمی .....

.... لاش اُٹھالی گئی تھی ..... وہاں پر گرا ہوا خون دھوپ کی مری ہوئی روشنی میں کہیں کہیں جم کر تازہ کلیجی کی مانند چمک رہا تھا.....

بھیڑ چھٹنے لگی تھی .... دکانوں کے شٹر گرنے لگے تھے .....

تب کسی نے آہستہ سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گھر چلنے کی بات کی تھی اور پوچھا تھا کہ مرنے والا میرا رشتہ دار تو نہیں تھا.....

www.taemeernews.com

باگمتی جب ہنستی ہے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

باگمتی جب ہنستی ہے تو علاقے کے لوگ روتے ہیں۔

اِس بار بھی باگمتی بارش میں کھِل کھلا کر ہنس پڑی ہے اور لوگ رو پڑے ہیں۔ ہنستی ہوئی باگمتی ہویشی اور جھونپڑیاں بہالے گئی ہیں ..... دور تک جل تھل ہے .....

دراصل یہ علاقہ دو طرف سے باگمتی کی باہنوں میں گھرا ہے۔ ایک طرف لکھن دئی بھی اس کے دوں چھوتی ہوئی گذرتی ہے۔ شمال کی جانب پہاڑیوں سے بھی بارش میں اکثر پانی کا ریلا آتا ہے اور باگمتی کو چھیڑ دیتا ہے۔ تب باگمتی خوب اُچھلتی ہے، بل کھاتی ہے، مچلتی ہے اور پورے علاقے کو اپنی باہنوں میں لپیٹ لیتی ہے اور دور تک جل مگن ہو جاتا ہے ....

بابو کامتا پرشاد راحت کارج میں جی جان سے لگے ہیں۔ وہ ہمیشہ دیش سیوا میں رت رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے علاقے میں وکاس کا کارج خوب کرایا ہے۔ گلی گلی میں پکی سڑکیں بن گئی ہیں۔ گاؤں گاؤں بجلی پہنچ گئی ہے۔ پانی کے نل لگ گئے ہیں۔ ان کی پہنچ راجدھانی تک ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے۔ پچھلی بار جو بی۔ ڈی۔ او یہاں آیا تھا اس کو اپنی کرسی کا بھرم تھا۔ اکڑ کر چلتا تھا لیکن کامتا پرشاد جی کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ چھے مہینے میں ہی اس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کسی افسر کو تعینات کرنے سے پہلے کامتا پرشاد جی سے پوچھ لیا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی راحت کا رج فضائی پرواز سے شروع ہو رہا ہے۔ راج دھانی سے لوگ پہنچ گئے ہیں۔ ڈاک بنگلہ میں گاڑیوں کی قطار لگ گئی ہے۔ مقامی افسران بھی جٹے ہوئے ہیں۔

کامتا پرشاد جی کے قریب حسب معمول بھیڑ اکٹھی ہونے لگی ہے۔ ان کے علاقے کے خاص خاص لوگ ان کو حلقہ میں لئے کھڑے ہیں کیونکہ راج دھانی والے آئے ہوئے ہیں۔ اور خاص لوگوں کا خاص مسئلہ ہے۔ سمنٹ کی پرمٹ، دکان کا لائسنس، کھاد اور تیل کی ڈیلرشپ، دردھا پنشن بینک سے لون ....

.... وہ سب مسئلے چٹکیوں میں حل کرتے ہیں۔ اُن کا پی۔ اے بھی ان کے قریب کھڑا ہے۔ کبھی کچھ نوٹ کرتا ہے۔ کبھی کہیں ٹیلی فون ملاتا ہے کبھی ڈرافٹ لکھتا ہے۔ پی۔ اے گھاگ ہے۔ سمجھتا ہے کب کیا نوٹ کرنا ہے کیا نہیں۔ ؟ کہاں چٹھی سے کام ہوگا۔ ؟ کہاں ٹیلی فون کی ضرورت پڑے گی۔!

کامتا پرشاد جی بہت خوش ہیں۔ بی۔ ڈی۔ او نے ڈاک بنگلہ میں انتظام بہت عمدہ کیا ہے۔ پرانا آدمی ہے۔ جانتا ہے کب کیا کرنا چاہئے۔ مانس ہاریوں کے لیے الگ پربندھ ہے اور شاہ کاریوں کے لیے الگ۔

"سر ایک دم تازہ مچھلی کے کٹلیٹ ہیں۔"

"سر ایک پیس اور ....."

"سر یہ چکن سوپ ....."

"سر۔ تھوڑی سی سلاد اور ....."

"سر۔ یہ دہی بڑا تو آپ نے چکھا ہی نہیں۔"

"سر۔ یہ مربا یہاں کی خاص چیز ہے۔"

"سر ...."

"سر ....."

راج دھانی والے انکساری سے کام لیتے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی ہر چیز چکھتے ہیں۔ مچھلی کو

www.taemeernews.com

ہاتھ نہیں لگاتے۔ تب بی۔ ڈی۔ او عاجزی سے کہتا ہے کہ پچھلی باڑھ گرست پانی کی نہیں ہے۔ مکھیا جی کے نجی تالاب سے منگوائی گئی ہے۔ جہاں باڑھ کا پانی نہیں پہنچتا ہے۔

کامتا پرشاد جی مطمئن ہیں کہ بھبیہ سواگت ہوا ہے۔ راج دھانی سے بھاری مدد ملے گی کیوں کہ اب خیمہ بھی ایک ہی ہے۔ پچھلی بار ان کی راج دھانی والوں سے ٹھن گئی تھی۔ ان کو خیمہ بدلنا پڑا تھا لیکن اس بار پھر پرانے خیمہ میں آکر انھوں نے سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے۔

فضائی پرواز ہوتا ہے۔ ساتھ میں کامتا پرشاد جی بھی ہیں۔ وہ ایک ایک چپہ دکھا رہے ہیں۔ بہت قریب سے معائنہ ہو رہا ہے۔ راج دھانی والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ جان و مال کا کافی نقصان ہوا ہے۔ علاقہ باڑھ گرست گھوشت کر دیا جاتا ہے۔

بی۔ ڈی۔ او نے فہرست بنالی ہے کہ کتنے لوگ مرے۔ کتنے گھر گرے۔ کتنے مویشی مرے۔ کیا کیا ضرورت ہے۔؟ بی۔ ڈی۔ او تجربہ کار آدمی ہے۔ جانتا ہے۔ فہرست کس طرح بنائی جاتی ہے۔ فہرست لمبی ہونی چاہیے۔

چوڑا ـــــ ایک ہزار کوانٹل

گڑ ـــــ ایک سو کوانٹل

ماچس ـــــ دس ہزار

موم بتی ـــــ دس ہزار

پولیتھین ـــــ دس ہزار میٹر

راحت کا کام تیزی سے چل رہا ہے۔ کلکٹر سے لے کر سپروائزر تک بے حد مصروف ہیں ـــ بی۔ ڈی۔ او کبھی اِدھر جاتا ہے۔ کبھی اُدھر۔ کہیں ناؤ سے۔ کہیں گاڑی سے۔ کہیں پیدل ..... لوگ قطار در قطار کھڑے ہیں۔ فہرست بنائی جا رہی ہے۔ دستخط لئے جا رہے ہیں۔

چوڑا ـــــ پانچ کلو

www.taemeernews.com

گڑ ـــ دوسو گرام

ماچس ـــ ؟

موم بتی ـــ ؟

بلاک آفس کے قریب ایک دکان پر ہنگامہ ہو رہا ہے۔

"ہماری پنچایت میں جوڑا ابھی تک کیوں نہیں بٹا ـــ ؟"

"وہاں بہو پنچنے کا کوئی سادھن نہیں ہے۔ بی۔ ڈی۔ او صاحب کہتے ہیں جوڑا اسی جگہ بٹے گا۔"

جوڑا بانٹنے والا سپروائزر اطمینان سے جواب دیتا ہے۔ پرانا آدمی ہے۔ جانتا ہے، ایسے موقع پر اس طرح کے ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔

"ہماری پنچایت کا جوڑا اس دکان میں کیسے پہنچ گیا ـــ ؟" ہریا چیخ کر پوچھتا ہے۔ ہریا... ... گاؤں کا کڑیل نوجوان .....

"سپروائزر چور ہے ـــ" بھیڑ سے آواز آتی ہے۔

"مارو سالے کو ....."

سپروائزر چپکے سے کھسک جاتا ہے۔ ہریا برابر چیخ رہا ہے۔

"اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ کوئی جنتا کی آنکھوں میں دھول جھونک دے گا۔"

"بی۔ڈی۔او صاحب سے کمپلین کرو۔"

"بی۔ڈی۔او۔بھی۔ڈی۔او کو کہہ کر کیا ہوگا ـــ ؟ سب کی ملی بھگت ہے۔"

"میں کھ منتری کو لکھوں گا ـــ"

بات کامتا پرشاد تک پہنچتی ہے۔ کامتا پرشاد جی مسکراتے ہیں۔ ان کا ہرکارہ ہریا کو ڈاک بنگلہ بلا کر لاتا ہے۔ ہریا..... گاؤں کا کڑیل نوجوان ..... آج تک اس کو کبھی کھیا نے نہیں بلوایا تھا... .... اس کو کامتا پرشاد جی بلواتے ہیں .... ہریا کے لیے بڑی بات ہے۔

www.taemeernews.com

"ہری بابو..... آپ جیسے سجگ نوجوان کی دیش کو ضرورت ہے۔"

"ہری بابو....."

ہریا کے کانوں میں ہری بابو کا لفظ عجیب کیفیت پیدا کر رہا ہے۔ جیسے کامتا پرشاد جی دیسی مشین میں ولایتی پرزے لگا رہے ہوں۔

"ہری بابو۔ تھوڑی بہت چوری تو یہ لوگ کرتے ہی ہیں...." کامتا پرشاد جی مسکرا کر کہتے ہیں۔

ہریا چپ ہے۔ اب کیا کہے۔؟ وہ ہریا سے ہری بابو بن گیا ہے۔

"ویسے بی۔ ڈی۔ او آدمی اچھا ہے۔ آپ کی بھی مدد کرے گا۔"

ہریا حیران ہے۔ بھلا بی۔ ڈی۔ او اس کی کیا مدد کرے گا۔؟ اور اس کو بی۔ ڈی۔ او کی مدد کی ضرورت بھی کیا ہے۔؟

پھر کامتا پرشاد جی ہریا کو سمجھاتے ہیں کہ غریبی ہٹانے کے لیے سرکار کی کیا کیا یوجنائیں ہیں۔ مثلاً۔ اِن۔ آر۔ پی، اے۔ آر۔ پی: مرغی پالن۔ گرامین بینک سے لون، بیس سوتری کارج کرم....

ہریا ان کی باتیں خاموشی سے سُن رہا ہے۔

"ہری بابو۔ آپ ڈوبا پل پر ناؤ چلانے کا ٹھیکہ کیوں نہیں لے لیتے ہیں"۔ ناؤ کا ٹھیکہ۔؟ ہریا کا سر چکرانے لگتا ہے۔

"جب تک ڈوبا پل کا نرمان نہیں ہو جاتا پی۔ ڈبلو۔ ڈی والوں کو ناؤ کی بیوستھا رکھنی ہے۔ پینتالیس روپیہ روز بھگتان کرتے ہیں۔"

ہریا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔

"آپ ایک ناؤ بنوا لیجئے۔ دو ہزار میں بن جائے گی۔ میں پی۔ ڈبلو۔ ڈی کے انجینئر سے کہہ دوں گا آپ کو ٹھیکہ مل جائے گا۔"

www.taemeernews.com

ہریا کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ دو ہزار روپے کا انتظام ....

کامتا پرشاد جی اس کی یہ مشکل بھی آسان کر دیتے ہیں۔

"آپ کو گرامین بینک سے دو ہزار روپے لون مل جائیں گے۔ غریبی ریکھا سے اوپر اٹھانے کی یہ بڑی اچھی یوجنا سرکار نے بنائی ہے۔"

"لیکن ایک بات ہے۔" کامتا جی مسکرا کر کہتے ہیں۔

ہریا ان کو چونک کر دیکھتا ہے۔

"بی۔ڈی۔او بیس پرسنٹ کمیشن لے گا اور بینک والے دس پرسنٹ۔ چھ سو روپے میں آپ کا کام ہوگا۔"

"ایک بات اور ــــ پی۔ڈبلو۔ڈی کا اوورسیر پندرہ روپے کاٹ کر تیس روپے بھگتان کرے گا اور پینتالیس روپے پر دستخط لے گا ...." کامتا پرشاد جی پھر مسکراتے ہیں۔

"اب اوورسیر بھی کیا کرے ــ؟ اس کے اوپر اسسٹنٹ انجینئر ہے۔"

"اور اسسٹنٹ انجینئر بھی کیا کرے ــ؟ اس کے اوپر ایگزیکیوٹیو انجینئر ہے ...."

"اور ایگزیکیوٹیو انجینئر بھی کیا کرے ــ؟ اس کے اوپر ....."

ہریا کی سمجھ میں اب بات آہستہ آہستہ آنے لگی ہے کہ ڈوبا گھاٹ پر اس کے گاؤں کو شہر سے جوڑنے والا لکڑی کا کچا پل ابھی تک لکڑی کا ہی کیوں ہے۔؟

کامتا پرشاد جی بدستور مسکراتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اب دیکھئے نا .... تھوڑی بہت چوری تو یہ لوگ کرتے ہی ہیں۔ اب ضلع سے کلکٹر صاحب اناج کی جو بوریاں بھیجتے ہیں تو ہر بوری میں دس کلو اناج کم رہتا ہے۔ اب بی۔ڈی۔او بیچارہ کیا کرے؟ وہ بھی سپروائزر کو پانچ کلو کے تھیلے میں ایک کلو اناج کم دیتا ہے۔ ایماندار آدمی سب کو ملا جلا کر چلتا ہے۔

"سب سے اوپر ٹوپی ہے۔" ہریا مسکرا کر اُن کی کھدر کی ٹوپی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

www.taemeernews.com

"بس ۔بس ۔یہی بات ہے ۔" کامتا پرشاد جی ہنسنے لگتے ہیں ۔

"اب دیکھئے نا اگر جنتا مجھے ووٹ نہیں دیتی تو میں بارہ کچھ نہیں کر پاتا۔ اگر دوسرے خیمے کا ٹوپی دھاری یہاں ہوتا تو بھلا منتری مہودے یہاں کیوں آتے ۔ ؟ یہاں تک کہ اس چھیتر کو بارہ گرست بھی گوشت نہیں کیا جاتا اور منتری مہودے نہیں آتے تو راحت کارج کے لئے اتنا فنڈ کہاں سے ملتا ۔ ۔ ۔ ؟"

" اور فنڈ بھی یونہی تھوڑے ہی ملتا ہے ۔سب کو خوش کرنا پڑتا ہے ۔"

"کامتا پرشاد جی ۔یہ سب ٹوپی کا کمال ہے ۔" ہریا پھر مسکرا کر کہتا ہے ۔

" بالکل ـــ بالکل ـــ! اب دیکھئے نا ۔ ٹوپی بچانے کے لئے الیکشن کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا ۔ اگر یہ لوگ مدد نہیں کریں تو کہاں سے ہو ۔ ؟ الیکشن کا خرچ کتنا بڑھ گیا ہے اور یہ لوگ بھی تو جیب سے نہیں دیتے ۔ہم لوگ وکاس کے کارج کے لئے اتنا فنڈ جوڑ لاتے رہتے ہیں ۔سب کو خوش رکھنا ہی پڑتا ہے ۔ بیوستھا ہی ایسی ۔ ۔ ۔ ۔"

کامتا پرشاد جی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہیں ۔ ایک سگریٹ ہریا کی طرف بڑھاتے ہیں ۔

" اب سپروائزر نے دو من چوڑا بیچ ہی دیا تو کیا ہوا ۔ ؟ آخر اسی خوشی راحت کا کارج چل رہا ہے کہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر سپروائزر سب کو خوش رکھنے والا آدمی ہے ۔آپ اس سے مل لیں وہ آپ کو خوش کر دے گا ۔ ۔ ۔ ۔"

ہری بابو سگریٹ کا لمبا کش لگاتے ہوئے باہر نکلتے ہیں ۔ دکان پر ابھی بھی بھیڑ جمع ہے ۔

ہری بابو کے قدم سپروائزر کے کوارٹر کی طرف بڑھ گئے ہیں ۔تھوڑی دیر بعد ہری بابو نکلتے ہیں ۔آنکھوں میں نشہ ہے ، چال میں مستی اور چہرے پر اعتماد ۔

www.taemeernews.com

ایک لمحہ کے لیے وہ دکان کے قریب رکتے ہیں۔ دکان کے قریب گاؤں سے سیلاب زدہ لوگوں کی بھیڑ ان کو بہت ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ وہ سگریٹ کا ایک لمبا کش لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"میری سپروائزر سے بات ہوئی ہے۔ اپنی پنچایت کا چوڑا کل بٹے گا۔"

ہری بابو کو لگتا ہے۔ ان کا یہ اعلان کسی شاہی فرمان سے کم نہیں۔

———— ❖ ————

www.taemeernews.com

سبز رنگوں والا پیغمبر

(صلاح الدین پرویز کے لئے)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ہم سب جس قصبے میں رہتے تھے وہ جسم کی رگوں کی طرح اُلجھی ہوئی پیچ در پیچ پہاڑیوں
ے گھرا تھا۔ ہم میں سے بعض (جو ہم میں سے تھے) کچی اور کمزور قسم کی لکڑیوں کے مکانوں میں رہتے تھے۔
جہاں دیواریں کاغذ کی طرح پتلی اور باریک تھیں اور ہم میں سے بعض (جو ہم میں سے نہیں تھے) بلند اور
ذ آور عمارتوں میں رہتے تھے۔ جہاں دیواروں کا رنگ گہرا سبز تھا۔ دھوپ کی صاف روشنی میں یہ بلند
لتیں قیمتی پتھروں کی طرح جگمگاتی ہوئی معلوم پڑتی تھیں اور ہم جب ان اطراف سے گذرتے تو حسرت سے
ن عمارتوں کی بلندیوں کی طرف دیکھتے تھے اور تب ہمیں اپنے کمزور اور تنگ مکانوں کی سیلن اور گھٹن کا
احساس ہونے لگتا تھا۔ ہم نے بھی اپنی کھڑکیاں دھوپ کے اطراف میں کھول رکھی تھیں لیکن دھوپ
کسی مہذب اجنبی کی طرح ہمارے کمروں میں آنے سے ہچکچاتی ۔ ہم نے آج تک دھوپ کا نرم
تشیں لمس دیواروں پر محسوس نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ ہماری دیواروں کا رنگ جگہ جگہ سے پھیکا
ر گیا تھا۔ اور سیاہی مائل ہو گیا تھا۔

ہم نے سفر میں جب بھی کوئی نیا راستہ تلاشنے کی کوشش کی تھی تو ہمارے قدم ہمیشہ کسی
کسی پیچ دار موڑ پر ٹھٹھک گئے تھے اور تب ہمیں احساس ہوا تھا کہ ہم مخالف سمت میں بہنے والی

www.taemeernews.com

ہواؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ ایسے موڑ پر ہماری مشعلیں ہمیشہ بجھ گئی تھیں اور تب اپنے اطراف پھیلے ہوئے غیر ہموار راستوں کی طرف دیکھتے ہوئے ہماری آنکھوں میں بجھی قندیلوں کا دھواں تیرنے لگتا تھا اور ہم محسوس کرتے تھے کہ پیچ دار راستوں سے گھرے پہاڑوں کے اس سفر میں ہم بیحد تھک چکے ہیں۔ کبھی کبھی ہماری کھڑکیاں مخالف سے آنے والی ہواؤں کے جھونکوں سے زور زور سے آپس میں ٹکرانے لگتیں تو ہمیں لگتا کہ شاید اب ہم کچے مکانوں کی چھتوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

اس قصبے میں ہمارے ساتھ سبز آنکھوں والا ایک ہم سفر بھی تھا۔ اگرچہ وہ بھی ہم میں سے تھا اور اس کے کمرے میں بھی گھٹن اور اندھیرا تھا لیکن ہم نے آج تک اس کے چہرے پر دھوپ کی کج ادا کا کوئی اعتراف نہیں دیکھا تھا اور نہ ہم نے کبھی اس سے موسم کی بے اعتنائی کی باتیں سنی تھیں۔ اس کے کمروں کی دیواروں کا رنگ بھی جگہ جگہ سے پھیکا پڑ گیا تھا لیکن وہ ہمیشہ ان پر سبز رنگ چڑھا رہتا۔ جب بھی کوئی قندیل بجھ جاتی وہ دوسری جلا لیتا اور نئے راستے کی تلاش میں نکل پڑتا۔ جب ہم تیرہ و تاریک موسم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ آرزوئیں ہمارے کمروں میں عیب ہو چکی ہیں تو وہ آہستہ سے مسکراتا اور پھر آسمان کی طرف پہلی انگلی اٹھا کر کہتا کہ ایک دن یقیناً بارش ہوگی تب ندی ہمارے دہلیز کو چھو کر گزرے گی تو ہم اس کے صاف اور میٹھے پانیوں میں اپنے ہاتھ دھوئیں گے۔

"ایسا کب ہوگا۔؟ ایسا کب ہوگا ــــ ؟" ہم میں سے کوئی تھکے ہوئے لہجے میں پوچھتا تو وہ اسی طرح مسکراتا اور آسمان کی طرف اشارے کر کے کہتا کہ آرزوؤں کی قندیلیں اگر وہاں جلاؤ تو بادل چھٹ جائیں گے اور تب تم سورج کی تمام برکتیں سمیٹنا۔

لیکن اس کی باتیں ہماری سانسیں ہموار کرنے میں کارگر ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔ دراصل ہم اس سفر میں اتنا تھک چکے تھے کہ ہمیں اب آگے چلنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ ہم میں سے بعض تو سفر کا قصہ ہی ختم کر دینے کی باتیں کرتے۔ تب وہ کہتا کہ اس طرح تو ہم آخری سفر میں ہمیشہ کانٹوں پر ہی چلتے رہیں گے۔ پھر وہ ہمارے بازو تھپتھپاتے ہوئے کہتا کہ دراصل بازوؤں کی ان خراشوں

www.taemeernews.com

نے ہمیں اور قوت عطا کی ہے۔ مخالف سمت میں بہنے والی ہواؤں نے ہمیں زندہ رکھا ہے۔
یک دن جب سورج رنگوں کی تھال لئے ہماری دہلیز پر آئے گا تو ہم سات رنگوں والی دھنک
دوؤں میں قید کرلیں گے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا" ہم اسی طرح تھکے اور افسردہ لہجے میں کہتے۔
"بے شک ایسا ہوگا ضرور ہوگا" وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے کہتا اور تب ہمیں اس کی
نکھوں میں سبز پروں والی خوشرنگ تتلیاں نظر آتیں۔

ہم سب اسے سبز رنگوں والا پیغمبر کہنے لگے۔

ایک دفعہ ہم میں سے کوئی قصبے کے ممنوعہ علاقے کی طرف چلا گیا۔ وہ جب وہاں سے لوٹا تو
اس کی سانسوں میں جلے ہوئے گوشت کی مہک تھی اور آنکھوں میں تھرکتے ہوئے شعلوں کا نشہ تھا۔
ب پیغمبر نے ہمیں پانچ جنگلی گھوڑوں کے قصے سنائے۔ اس نے کہا کہ ایک شخص تھا۔ اس نے
پانچ جنگلی گھوڑے پال رکھے تھے۔ وہ انہیں خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ ایک گھوڑا بہت منہ زور تھا
ور بے شک اس گھوڑے پر کسی کا زور نہیں چلتا ہے) وہ اُسے بھی خوب کھلاتا پلاتا رہا پھر اُس نے
ن گھوڑوں کی باری باری سواری کی اور ہر بار لہولہان ہوا۔ منہ زور گھوڑے کی سواری سے واپس آیا
تو اس کی پیشانی سیاہ پڑ گئی وہ ایک گہری کھائی میں گر گیا تھا۔

ایک اور شخص تھا۔ اس نے بھی پانچ جنگلی گھوڑے پال رکھے تھے وہ ان گھوڑوں کو کم کھلاتا
تھا اور منہ زور گھوڑے کو (بے شک اس گھوڑے پر کسی کا زور نہیں چلتا) قابو میں رکھنے کے لیے
اور کم کھلاتا تھا۔ لیکن اسے بھی ان گھوڑوں کی سواری میں لہولہان ہونا پڑا۔ منہ زور گھوڑا لہلہاتی ہوئی
ہری فصلیں دیکھ کر یکایک بدکا تھا اور نتیجے میں اس کے چوٹیں آئی تھیں۔

پھر پیغمبر نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے کہ دوسرے سوار کو بھی اس منہ زور گھوڑے کی ذلتیں
اٹھانی پڑیں۔

www.taemeernews.com

ہم سب چُپ رہے۔

تب پیغمبر نے پانچ اور جنگلی گھوڑوں کی کہانی سنائی۔ اس نے کہا کہ ایک اور شخص تھا۔ اُس بھی پانچ جنگلی گھوڑے پال رکھے تھے۔ وہ انھیں حسب منشا سب کھلاتا پلاتا تھا۔ اس مخروط گھوڑے کے لئے اس نے چراگاہ خرید لی۔ پھر اس نے ان پر سواری کی تو گیت گاتا ہوا واپس آیا تھا۔

تب پیغمبر نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے کہ ان کی سواری میں وہ سرخ رو ہوا؟

ہم سب چُپ رہے۔

ایسا اس لیے ہوا کہ وہ ان گھوڑوں کی سواری کرتے ہوئے بھی ان پر سوار نہیں تھا۔ اُس نے انھیں اپنا تابع بنالیا اور باقی سواروں پر خود گھوڑے سوار تھے۔

ہم میں سے اس کی پیشانی جو ممنوعہ علاقے کی طرف گیا تھا عرق آلود ہوگئی۔

تب پیغمبر نے کہا کہ اس طرح کانٹے بونے کی لذت میں تم اپنے ہاتھ سیاہ مت کرو ورنہ سفر کے آخری حصے میں تمہارے پاس کیا بچے گا؟

تب ہم میں سے کسی نے کہا کہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ جن کے ہاتھ سیاہ ہیں اور پیشانی گرد آلود ہے ان کی عمارتوں پر دھوپ ہمیشہ چمکتی رہی ہے۔ انھوں نے کانٹوں کی فصلیں اُگائی ہیں، پھولوں کی فصلیں کاٹی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ ان کی طرف آسمان کا رنگ کیوں نہیں سُرخ ہوتا؟

پیغمبر مسکرایا۔ پھر اس نے کہا کہ ان کے پھولوں میں کوئی رنگ و بو نہیں ہے۔ یہی پھول سفر کے دوسرے حصے میں انگارے بنیں گے۔

کبھی کبھی پیغمبر کی یہ باتیں ہمارے بازوؤں کو مضبوط ہاتھوں کی طرح تھام لیتیں اور ہمیں احساس ہوتا کہ ایک دن ہم واقعی سورج کے تمام رنگ سمیٹ لیں گے لیکن ہم گھنے اور سائے دار درختوں کی امید میں ہمیشہ خشک اور ویران راستوں سے گزرتے تھے۔ لیکن پھر بھی پیغمبر کے چہرے پر ہم نے شکن کی کوئی نشان نہیں دیکھی۔ اس نے ہمیشہ اسی طرح رنگ و بو سے پُر باتیں کیں۔

www.taemeernews.com

ایک بار پیغمبر نے بتایا کہ اس کی بھی ایک کہانی ہے۔ تب ہم سب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

تب اس نے دو بے حد روشن اور ہنستی ہوئی آنکھوں کی باتیں بتائیں۔ اس نے کہا کہ اس کے بال کالے اور چمکدار ہیں۔ ہم سب نے محسوس کیا کہ ان کی ہنستی ہوئی آنکھوں کے ذکر میں پیغمبر بچوں کی طرح معصوم ہوگیا ہے۔

پھر اس نے کہا کہ جب بادل چھٹ جائیں گے تو وہ ان کالے اور چمکدار بالوں کو بازوؤں میں قید کرلے گا۔

اور ہم سب نے دیکھا کہ پیغمبر ایک نشاط انگیز احساس سے گزر رہا ہے۔

.... اور ایک دن ہم نے یکایک دیکھا کہ پیغمبر کی آنکھوں میں دھنک کا رنگ کھلا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے حد پراسرار مسکراہٹ تھی۔ تب اس نے بتایا کہ اس کو آخر بازوؤں کی خراشوں کا صلہ مل گیا ہے۔

ہم سب حیرت اور خوشی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

اس نے کہا کہ وہ اب سبز پوش وادیوں سے ہو کر گزرے گا۔ سورج اس کی دہلیز پر رنگوں کی تھال لئے آگیا ہے۔

"ایسا کیسے ہوا؟ ایسا کیسے ہوا؟" ہم سب نے بیک وقت پوچھا تھا۔

تب اس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

"تم سب اس لامحدود وسعتوں سے کیوں غافل ہو؟"

ہم سب حیرت سے پیغمبر کو دیکھتے رہے۔

"اب تم سبز وادیوں سے گزرتے ہوئے ہمیں بھول تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔"

www.taemeernews.com

"کیا ہم تمہیں روشنی کے اونچے مینار سے نظر آسکیں گے ؟"

"کیوں نہیں ـــ کیوں نہیں ـــ ؟ اور سنو! تم بھی کبھی دُکھ اور مایوسی کے غیر مناسب احساس سے مت گزرنا کہ دُکھ اور مایوسی برکتوں کے راستے مسدود کر دیتے ہیں۔"

پھر پیغمبر مسکرایا اور اس نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے۔ اب وہ ہنستی ہوئی آنکھوں کو آواز دے گا۔ اب کالے اور چمکدار بال اس کے شانوں پر لہرائیں گے۔

"مبارک ہو!" ہم سب نے بیک وقت کہا تھا۔

"ان ہنستی ہوئی آنکھوں کو ہمارا سلام جن میں تمہارے انتظار کی روشنی ہے۔"

پیغمبر مسکرایا اور اس نے کہا کہ ہاں وہ آنکھیں واقعی مبارک ہیں جو کسی کی منتظر رہتی ہیں۔

پھر ہمارے درمیان سے وہ چلا گیا تو ہم دیر تک عدم تحفظ کے احساس سے گزرتے رہے تھے۔

لیکن پیغمبر کو گئے دو دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ کسی نے خبر دی کہ پیغمبر اب اس سفر میں نہیں ہے۔

اس پر ہم سب حیرت سے اس کو دیکھنے لگے تھے۔

"خود اس نے ہی اپنا قصہ ختم کر ڈالا تھا۔" اس شخص نے کہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا ـــ ایسا کیسے ہوگا۔ ؟" ہم سب نے بیک وقت کہا تھا۔

"ایسا ہی ہوا ہے ـــ ایسا ہی ہوا ہے ـــ اس نے جان بوجھ کر اپنا قصہ ختم کر ڈالا۔"

ہم سب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

تب اُس شخص نے کہا کہ وہ ہنستی اور چمکتی ہوئی آنکھوں نے پیغمبر کی طرف دیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔

www.taemeernews.com

آخری سیڑھی کا مسافر

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

"پہچانا ــــ؟" شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے حد آہستہ سے اس نے یکایک سرگوشیوں کے انداز میں پوچھا تو میری آنکھیں اس کے چہرے پر روشنائی کے دھبے کی طرح پھیل گئیں۔ اس کے بال کھچڑی ہو رہے تھے۔ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور گال ٹین کے خالی ڈبوں کی طرح پچکے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس کے چہرے پر مجھے شناسائی کی ایسی کوئی واضح تحریر نظر نہیں آسکی تھی۔ پھر بھی مجھے ایسا ضرور محسوس ہوا کہ میں نے اس کو کہیں دیکھا ہے۔ تب میں نے اس کو غور سے دیکھا اور اس کے چہرے کے خدوخال کو پڑھنے کی کوشش کی۔ مجھے لگا اس نے چہرے کا کوئی اہم حصہ بڑی چالاکی سے مجھ سے چھپالیا ہے۔ مجھے خاموش دیکھ کر وہ مسکرایا تو اس کی یہ مسکراہٹ مجھے سونی صدی جانی پہچانی لگی۔ دراصل وہ مسکرایا نہیں تھا بلکہ اس نے مسکرانے کی ایک انتہائی فضول سی کوشش کی تھی۔ اور مسکرانے کی اس چالاک سازش سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ نے مستقل ٹوٹتے ہوئے چہرے دیکھے ہیں اور ان چہروں کے مسکراتے رہنے کی ایک بے کار سازش سے واقف ہیں تو میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

"تم نہیں پہچانو گے ــــ" اس نے مسکرانے کی پھر وہی فضول کوشش کی۔ پھر زور سے ہنسا اور اس کی یہ ہنسی بھی مجھے جانی پہچانی لگی کیونکہ بظاہر وہ ہنسا تھا لیکن ہنسنے جیسی کوئی

www.taemeernews.com

آواز مجھے سنائی نہیں پڑ سکی تھی۔

میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔ تب وہ اور زور سے ہنسا۔

"فضول ہے۔ تم بیتے دن کا کوئی قصہ نہیں پڑھ سکتے۔"

"لیکن میں تمھیں جانتا ہوں۔ تم وہی ہو نا جس نے بادبان جب بھی کھولے تو ہوائیں مخالف ہوگئیں اور تم نے کہا ہوائیں ہمیشہ اسی طرح مخالف رہی ہیں۔"

تب اس کے چہرے پر اعتراف کی جھلک دیکھنے کے لئے میں اس کے قریب جھکا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے دھوپ کے کسی شیشے کی طرح چمکیں تو مجھے لگا وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اب میں اس کے چہرے کو پڑھ لوں گا۔ لیکن پھر یکایک اس کی آنکھیں بیتے موسم کی طرح ہر چمک سے خالی تھیں۔

"اب میں خود کے ہونے کا بوجھ لئے نہیں چل رہا ہوں۔"

"ہا ہا ہا..... یہ تمہارا وہم ہے۔" میں نے زور کا قہقہہ لگایا۔

اس کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لئے بدلا۔ مجھے لگا اب اس کے چہرے پر بیتے لمحوں کا ایک ایک نقش اُبھر آئے گا اور اس کے چہرے کا وہ ٹوٹا ہوا حصہ جو بڑی چالاکی سے سب سے چھپائے پھرتا ہے کھل کر سامنے آجائے گا اور پھر میں اس سے پوچھوں گا کہ اگر وہ خود کے ہونے کا کوئی بوجھ نہیں لئے چل رہا ہے تو یہ زخموں کے نشانات کیا معنی رکھتے ہیں۔؟"

دراصل میں اسے اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ مجھے یاد ہے ایک بار کسی اونچائی پر چڑھتے ہوئے وہ یکایک پھسل کر گر پڑا تھا۔ اس کے قریب بھیڑ اکٹھی ہوگئی تھی اور سبھوں نے اس کے اس طرح گرنے پر اظہار افسوس کیا تھا۔ تب اس نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ یہ کیا کم ہے کہ وہ کچھ دور چلا ہے۔ اور پھر مسکراتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا تھا تو اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ کا احساس ہوا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ خود اس کو اپنی اس لنگڑاہٹ کا کوئی احساس نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

اس دن اس نے یہ بات بھی کہی تھی کہ نوکیلی چٹانیں اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں اور اگر دور تک ریگ زار ہیں تو وہ اپنی راہ الگ بنالے گا۔ لیکن ایک بار وہ ٹھیک منزل پر لڑکھڑا گیا تھا اور جب دور تک ریگ زار ہی ریگ زار تھے تو آسمان اس کو جھوٹی کہانی کا سلسلہ لگا تھا اور اس دن اس نے پوچھا تھا کہ وہ راستے کیسے ہیں جہاں پہلی سیڑھی ہی منزل بن جاتی ہے۔ اس دن اس کے چہرے پر زخم کا ایک گہرا نشان اُبھر آیا تھا۔

"تمھیں یاد ہے، ایک بار تم گر پڑے تھے۔"؟ میں نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں ہے کہ میں کب گرا ہوں۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ میں چلتا رہتا ہوں۔ چلنا ایک فطری عمل ہے اور گرنا ایک حادثہ۔ اور سارے حادثوں کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔"

"لیکن گرنے کی اذیتیں کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔؟"

"یہی تو المیہ ہے کہ گرنے کی اذیتیں بھی ہمیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ہمارا گرنا ہمارے چلتے رہنے سے وابستہ ہے اور ہمارا کرب یہ ہے کہ ہم چلتے رہنے کے عمل سے گریز نہیں کر سکتے۔"

وہ کچھ دیر کے لئے چُپ ہوا تو میں نے اس کو غور سے دیکھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا ایک بار اس سے ایک بے حد پیچ دار موڑ پر ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں سے ایک گہری ندی کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ ندی کے دوسری طرف مجھے بھی جانا تھا اور میں آسانی سے چلا گیا تھا۔ ہوائیں موافق تھیں۔ لیکن جب وہ پانی میں اُترا تو ہوائیں مخالف ہو گئی تھیں اور اس کو واپس لوٹنا پڑا تھا اور تب اس نے کہا تھا کہ ہوائیں ہمیشہ اسی طرح مخالف رہی ہیں اور اس کے چہرے پر زخم کا نیا نشان اُبھر آیا تھا۔ ایک بار میں اس کے گھر بھی گیا تھا اور مجھے وہاں ایک عجیب گھٹن اور سیلن کا احساس ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ اس سڑے کمرے میں سانس کیسے لیتا ہے۔؟ اس کے کمرے کی کھڑکیاں اگرچہ کھلی تھیں لیکن باہر ہریالی اور سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس دن ایک دریچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے بتایا تھا کہ وہاں سے ایک پتلی سی کرن آتی ہے، اور میں نے دیکھا تھا جہاں وہ پتلی سی کرن پڑتی

www.taemeernews.com

تھی اس جگہ دیوار کا رنگ سبزی مائل ہو گیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کرن کے اشارے پر وہ ایک نئے سفر کا آغاز کر رہا ہے۔ تب میں نے اسے مبارکباد دی تھی اور اُمید ظاہر کی تھی کہ جب وہ اپنی سانسوں میں دھوپ کی خوشبو رچا کر آئے گا تو اس سے سبز موسم کے قصے سنوں گا۔ لیکن جب وہ واپس آیا تھا تو اس کے چہرے پر دھوپ کی کوئی تمازت نہیں تھی۔ اور میں سمجھ گیا تھا کہ ہوائیں اس بار بھی.....

"چلو کہیں چلتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"کہاں۔؟"

"کہیں بھی۔ منزل کی تلاش نہیں ہے۔"

"پھر یہ چلنا کیا معنی رکھتا ہے۔؟"

"معنی۔؟ منزل کی تلاش بھی کیا معنی رکھتی ہے۔؟ منزل کی تلاش ایک فضول وہم ہے اور چلتے رہنے کا عمل بھی ایک مہمل عمل ہے' اور المیہ یہ ہے کہ ہم اس عمل سے گریز نہیں کر سکتے۔"

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے اپنے گھر کی طرف لے جا رہا ہے اور تب میں نے دیکھا یہ وہی کمرہ تھا۔ لیکن اب اس کی کھڑکیاں بند تھیں اور ان پر کائی جمی ہوئی تھی اور دیواروں پر جہاں مجھے پہلے سبز رنگ کے دھبے نظر آئے تھے وہاں ناخن کی خراشیں تھیں اور ان پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

"جانتے ہو اب تمہیں میرے چہرے پر زخم کا نشان کیوں نظر نہیں آتا؟"

"کیوں؟"

"میں اب ماضی سے بندھا ہوا نہیں ہوں اور نہ ہی میری نظر مستقبل پر ہے۔ میں بس چلتا رہتا ہوں۔"

میں نے دیکھا' اس دریچے پر جس سے دھوپ کی پتلی سی کرن آتی تھی' مکڑی نے جالے بُن دیئے ہیں۔

www.taemeernews.com

پھر اس نے کہا۔

"وہ وقت ایک مہمل تناؤ ہے اور یہ جو ماضی اور مستقبل کی فصیلیں وقت نے ہمارے ارد گرد کھینچ رکھی ہیں ان فصیلوں میں کتے کی طرح ہانپتے ہوئے ہم ایک انتہائی مہمل سی چیز ہیں..... اگر ہم اپنے سفر میں مڑ کر نہیں دیکھیں کہ کتنی دور چلے ہیں اور نہ ہی یہ کہ آگے کتنی دور چلنا ہے تو یہ فصیلیں گر جاتی ہیں اور تب وقت کیا معنی رکھتا ہے.... اور منزل کیا معنی رکھتی ہے؟"

پھر بہت دن تک میری اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ ایک دن اس سے ملنے کی میں نے عجیب سی خواہش محسوس کی۔ اس کے گھر گیا تو اس دریچے کے لکڑی کے جالے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اور دھوپ کی ایک پتلی سی کرن اندر آ رہی تھی۔ شاید وہ نئے اطراف میں گیا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس بار وہ ٹھیک آخری سیڑھی پر آ کر رُک گیا ہے۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس آخری سیڑھی پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ہوائیں موافق تھیں۔ منزل بانہیں پھیلائے پکار رہی تھی۔ ایسے میں اس کا آخری سیڑھی پر رکے رہنا بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ اس سے ملاقات ہوئی تو میں حیران رہ گیا اس کے چہرے پر زخموں کے ان گنت نشان تھے۔ تب میں نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ ایک ذرا سی کھڑکھڑاہٹ ہوگی اور تم ہواؤں کے قریب آ جاؤ گے۔"

وہ چپ رہا۔

"کیوں آخری سیڑھی پر رک کیوں گئے۔؟"

"میں خود کے ہونے کا بوجھ محسوس کر رہا ہوں اور جب تک خود کے ہونے کا بوجھ ہے ماضی بھی ہے، مستقبل بھی ہے اور زخموں کا سلسلہ بھی....."

"پھر تم یہاں تک آئے کیوں۔؟"

"چلنا ایک فطری عمل ہے۔ ہم چلنے سے گریز نہیں کر سکتے۔"

"دراصل تمہیں اس آخری سیڑھی پر گرنے کا خوف ہے اور اس کا احساس بھی کہ اس بار آخری سیڑھی

www.taemeernews.com

پر لڑکھڑانے کی اذیت تم برداشت نہیں کرسکو گے۔"

وہ مسکرایا۔

"گرنا معنی نہیں رکھتا۔ منزل پر پہنچنا بھی معنی نہیں رکھتا۔ دونوں حادثے ہیں۔"

"پھر کیا معنی رکھتا ہے؟"

"خود کے ہونے کا بوجھ معنی رکھتا ہے..... ایک مہمل اور فضول معنی ۔۔ اور جس دن اس بوجھ سے چھٹکارہ مل جائے گا سمجھ لو پہلی سیڑھی منزل ہو جائے گی۔"

کچھ دنوں بعد اس کے متعلق مجھے ایک خبر معلوم ہوئی۔ میں نے سنا آگے بڑھنے کے بجائے وہ آخری سیڑھی سے۔ خود بخود واپس لوٹ گیا تھا۔

کہنے والے کہتے ہیں اس کے چہرے پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

ٹوٹی دشاؤں کا آدمی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ہم پہلی دفعہ کب ملے یہ اب یاد نہیں ہے۔ مگر ہم پہلی دفعہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان گئے تھے تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ ہم نے ایک دوسرے کے چہرے میں ایک جیسے چہرے دیکھے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ ہمارے چہروں میں مماثلت تھی۔ ہمارے خدوخال ایک جیسے بالکل نہیں تھے۔ ہمارے ہونٹوں میں مشابہت تھی اور نہ ہماری ناک ایک جیسی تھی اور نہ ہماری پیشانی۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ ہم نے ایک دوسرے کے چہرے میں ایک جیسے چہرے دیکھے تھے۔

دراصل چہروں کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا ہے۔ چہرے آنکھوں کے ہوتے ہیں۔ جب ہماری آنکھوں کے چہرے ایک جیسے موسم کی کہانیاں کہتے ہیں تو ہمارے چہروں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے۔

اور ہمارے چہروں میں فرق نہیں تھا۔

اس دن بیحد تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ ہوائیں گرد سے اَٹی ہوئی تھیں اور بیحد گرم تھیں۔ سوکھے پتے ہواؤں میں اُڑ رہے تھے۔ سارے مکانوں کے دروازے بند تھے۔ سڑک دور تک سنسان تھی۔ ایسے میں وہ اچانک نظر آگیا تھا۔ پھر مجھے دیکھتے ہی اس نے پوچھا تھا کہ میرے اطراف کسی دھوپ کا کوئی مقصد نہیں ہے اور میں نے سر ہلا کر اعتراف کیا تھا کہ ہاں ہمارے اطراف میں

www.taemeernews.com

بھی دھوپ کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

پھر اُس نے مجھے بتایا کہ جب بھی تیز جھکڑ چلتے ہیں اور تپش بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنے کمرے سے باہر آجاتا ہے۔ اس کے کمرے کی چھت بہت نیچی ہے اور دیواریں ایسے میں گرم ہو اُٹھتی ہیں۔ تب میں نے قدآور درخت کے بارے میں پوچھا تھا جس کا سایہ اس کی چھتوں پر تھا۔ اس پر اس نے بڑے تاسف بھرے لہجے میں کہا تھا کہ اس کی شاخیں بہت کمزور ہو گئی ہیں اور کبھی بھی ٹوٹ سکتی ہیں اور پھر یہ کہ بوڑھے درخت کے سایے میں وہ کب تک بیٹھ سکتا ہے

اور جب وہ چُپ ہوا تھا تو اس کی آنکھوں سے ٹوٹتے پتّوں کا دکھ متشرح تھا اور پھر ہم دیر تک موسم کی خرابیوں کا ذکر کرتے رہے تھے یہ کہ ہم نے تو ہمیشہ ایک جیسے موسم دیکھے۔ آسمان کا وہی سُرخ رنگ۔ ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ اس دفعہ بھی موسم بدلے تو ہم نے خشک پتے ہی سمیٹے ہیں۔

اس دن سنسان سڑک پر ہم دیر تک چلتے رہے تھے اور جب ہم تھک گئے تھے اور ہم نے لوٹنا چاہا تھا تو ہم نے ایک دوسرے سے پوچھا تھا۔

"ہم کہاں چلیں گے ــــ؟"

اور پھر ہم نے ایک ساتھ مکانوں کے بند دروازوں کی طرف دیکھا تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا اُس کے پاؤں میں نئے جوتے تھے۔ اس دن وہ اس ویران سڑک پر تھوڑا ہٹ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا لباس جو اکثر بازوؤں کے پاس سے پھٹا ہوتا تھا اس دن رفو کیا ہوا تھا۔ مجھے لگا شاید اس کی طرف موسم بدل گئے ہیں۔ اور تب یہ سوچ کر کہ وہ اب ہم میں سے نہیں ہے میرے دل میں ایک چبھن کا غیر مناسب سا احساس پیدا ہوا تھا۔ میں نے اسے پکارا تو اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا تھا اور میری نگاہیں حیران ہو کر اس کے چہرے پر لہروں

www.taemeernews.com

کی طرح پھیل کر رہ گئی تھیں یہ وہ نہیں تھا۔ اس کا چہرہ اس کا چہرہ نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر مجھے ایسی لکیریں نظر نہیں آسکی تھیں جو مانوس لگتیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سفید قبروں کی تصویریں کہاں ہیں؟

مجھے دیکھ کر آہستہ سے وہ مسکرایا تو اس کی انگلیوں میں مجھے رنگین پروں والی تتلیاں نظر آئیں۔ مجھے لگا اس نے یہ مسکراہٹ، یہ چہرہ، یہ آنکھیں یقیناً کسی نٹ کھٹ بچے سے مستعار لی ہیں۔ مجھے دیکھ کر جب وہ خاموشی سے اسی طرح مسکراتا رہا تو میں نے سمجھا شاید وہ کوئی راز فاش کرنا چاہتا ہے۔ میں نے چاہا پوچھوں، لیکن پھر سوچا خود بتلائے گا۔ تب کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا تھا کہ اس کی کھڑکیوں کے قریب ان دنوں ایک سبز آنچل لہرایا ہے۔

اُس دن ہم زیادہ دیر تک سڑک پر اکٹھے نہیں چل سکے تھے۔ وہ اس دن بہت جلدی میں تھا اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اب اس سنسان سڑک پر آگے اس کو ایک موڑ نظر آیا ہے اور اس طرف ایک سائبان بھی ہے۔ وہ وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں ہے تاکہ اس سائبان کے نیچے سفر کی باقی تیاریاں کر سکے۔ میں نے سبز آنچل کے بارے میں کچھ اور پوچھنا چاہا تھا تو وہ خوشدلی سے مسکرا دیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ یہی وجہ ہے کہ وہ جلد از جلد سائبان تک پہنچنا چاہتا ہے۔

وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اپنی بات بھی پوری نہیں کر سکا تھا اور سڑک پر ایک طرف ہٹ کر جب وہ آگے بڑھ گیا تھا تو اس کے نئے جوتے کی آوازیں دیر تک فضا میں گردش کرتی رہی تھیں۔ پھر ہم بہت دنوں تک نہیں مل سکے تھے یا ہو سکتا ہے ملے ہوں۔ دراصل اب ایسا تھا کہ بہت سی راہیں ہمارے درمیان مشترک نہیں تھیں۔ تب میں نے سوچا تھا کہ شاید وہ سائبان سے ہوتا ہوا خزاروں کی نامعلوم گزرگاہوں تک پہنچ گیا ہے۔

پھر ایک دن اچانک اس سے ملاقات ہوئی۔ اس دن بھی ہوائیں اسی طرح گرم تھیں۔ اور دھوپ نہیں مکانوں اور درختوں پر کسی مستقل وہم کی طرح جمی ہوئی تھیں۔ اس دن وہ مجھے بیحد تھکا

www.taemeernews.com

ہوا نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا تو یہ مسکراہٹ مجھے ٹوٹی کمان کی طرح لگی تھی۔

اس نے بتایا کہ سائبان تک پہنچنے کے لئے ایک لمبی قطار تھی، ایک لمبی قطار۔

پھر ہم دیر تک چپ رہے۔ ہواؤں میں اُڑتے ہوئے پتے کسی اندازہ مریض کی طرح سانس لیتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

"ہم جس سڑک پر چل رہے ہیں وہ قبر گاہوں کی طرف مڑ گئی ہے۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا تھا۔

"ہاں، ہم مُردوں کے شہر سے گذر رہے ہیں۔ ہمارے اطراف میں قبر گاہیں ہیں۔"

"اس سڑک کا کوئی موڑ نہیں ہے۔"

"ہاں! اس سڑک کا کوئی موڑ نہیں ہے۔"

"دور تک کوئی سائبان نہیں ہے۔"

"ہاں دور تک ...."

پھر ہم زور سے ہنسے تھے یا شاید درختوں کی ٹہنیاں ہواؤں کے زور سے یکایک ٹوٹی تھیں۔

پھر جب ہم چلتے چلتے تھک گئے تھے تو ہم نے ایک دوسرے سے پوچھا تھا "سبزہ نا کی نامعلوم گزرگاہیں کہاں ہیں؟"

پھر ایک مدت کے بعد میری اس سے ملاقات ہوئی۔ اس دن وہ بہت خاموش تھا۔ میں پوچھا اتنے دن کہاں رہے تو وہ خاموش رہا۔ میں نے پھر پوچھا تھا کہ کیا اس کی طرف کے موسم بدل گئے ہیں۔

"اب موسم کے آنے جانے کا احساس نہیں ہوتا۔ اب میں سارے دریچے بند کر چکا ہوں

"کیا مطلب؟"

www.taemeernews.com

"مطلب ؟" وہ زور سے ہنسا۔

"مطلب کس چیز کا ہوتا ہے۔؟ مطلب کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ اس کا کیا مطلب ہے کہ ہماؤں کے سفر میں ہمیں راستے ہمیشہ پہاڑوں کی طرح غیر ہموار ملے۔"

پھر اس نے مسکرا کر کہا کہ اب وہ دشاؤں کا حصار توڑ چکا ہے اور اب اس کا سفر ردشاؤں میں ہے۔

"یہاں تو ہوائیں اسی طرح گرم ہیں ــــ" میں نے کہا۔

"ہوں گی۔ مجھے احساس نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں آسمان کا رنگ سُرخ نظر نہیں آتا۔"

"ہوگا ــ مجھے نہیں معلوم۔"

"حیرت ہے۔"

"تمھیں حیرت ہے ؟ اب مجھ میں حیران رہ جانے جیسی فضول صلاحیتیں نہیں ہیں۔"

"دراصل میں نے جو سارے دریچے بند کر دیئے تو اب بڑا سکون ہے۔ اب سبزہ زار اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ مجھے ان کا انتظار بھی نہیں ہے۔ اور نہ اب ٹوٹے پتوں کا دُکھ ہے۔ اب ایک جیسے موسم کا احساس نہیں ہوتا۔"

"مجھے خاموش دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ــ ؟" میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے خاموشی سے پوچھا۔

تب میں نے دیکھا کہ جس کمرے کے اس نے پانچوں دریچے بند کر دیئے تھے اس پر چھت نہیں تھی۔ پھر اُس نے کہا کہ آسمان اکثر ٹوٹتے رہے تو اس نے چھت کھُلی رکھی۔ اب کیا فرق پڑے گا؟ بدلتے آسمان کے سارے تیور اس کے بغیر چھت والے کمرے میں پگھل جاتے ہیں۔ آسمان کے سُرخ رنگ کا احساس کس کو ہے ؟

www.taemeernews.com

پھر ہم دیر تک خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد میں نے یکایک سبز آنچل کی بات کی تو وہ
لگا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگا اور دیر تک ہنستا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں پانی
آگئے۔ وہ ہنستے ہنستے چپ ہوا تو اس کے چہرے پر زخموں کے نشان اُبھر آئے اور پھر میں نے دیکھا
اس کی پُشت پر بھی خنجر کے نشان ہیں اور تب اس کی آنکھوں میں مجھے رنگین پروں والی تتلیوں
کے پرمٹ میلے نظر آئے۔ وہ کچھ دیر چُپ رہا۔ پھر یکایک میری طرف جھک کر اُس نے آہستہ
سے کہا۔

"اُس طرف بازار میں نل ہے۔ آؤ، وہیں اپنی پیاس بجھالیں"۔

اور پھر وہاں سے جب ہم لوٹے تو ہمارے چہرے گرد آلود تھے۔

www.taemeernews.com

وہ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

جیب سے زہر کی شیشی نکال کر اُس نے میز پر رکھ دی ۔ پھر دروازہ اندر سے بند کیا اور کھڑکی کھولی تو سڑک پر ٹریفک کا شور کچھ بڑھ گیا ۔ ایک لمحہ کے لئے اس نے جھانک کر نیچے کی طرف دیکھا ۔ سڑکوں پر لوگوں کا بھاگتا ہوا ہجوم اس کو آج بھی حد درجہ مہمل لگا تھا اور سامنے مکان کی ریلنگ سے لگ کر کھڑی ہوئی وہ عورت اُسی طرح فحش لگی تھی ۔ زہر کی شیشی کی جانب دیکھتے ہوئے یہ سوچ کر وہ آہستہ سے مسکرایا کہ اب وہ کاکروچ اور چمگادڑوں کے بیچ سانس لینے پر مجبور نہیں ہے ..... ٹھیک ایک بجے وہ مر جائے گا ..... ہاں ..... ٹھیک ایک بجے .... لیکن کیوں ..... ؟ ٹھیک ایک بجے کیوں .... ؟ اِن آخری لمحوں میں وہ وقت کا اتنا پابند کیوں ہو گیا ہے ..... ؟ شاید مرتے وقت آدمی زندگی کے کسی اصول کو اپنانا چاہتا ہے ۔ .... کسی ترتیب کو اپنانا چاہتا ہے ..... ٹھیک ایک بجے مرنے کا ارادہ آخر کیا معنی رکھتا ہے ؟ .... وہ ساڑھے بارہ بجے بھی زہر پی سکتا ہے ..... یا ابھی ..... اِس وقت بھی .....

اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا ۔ گیارہ بجے تھے ۔ وہ کیوں نہیں فوراً ہی زہر پی لے ..... یہ ایک بجے کا چکر کیوں ..... ؟ لیکن دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ وہ ابھی فوراً مرنا نہیں چاہتا .... شاید مرنے سے پہلے ایک بار اپنی زندگی کا بھرپور جائزہ لینا چاہے گا ..... لیکن کیا

www.taemeernews.com

مائزہ لے گا وہ ..... اس کے نزدیک تو جینے کا سارا عمل ہی مہمل ہے ..... اور مرنے کا
مل بھی مہمل ہوگا۔ جس طرح بے تعلقی کی زندگی وہ جی رہا ہے تو اس کی موت پر لوگوں کی چہ مگوئیاں
ی کیا معنی رکھیں گی ..... ؟ شاید اس کو لوگ اینٹارمل سمجھتے ہیں ..... کیا اینارملی ہے اس میں ؟
..... یہی نہ کہ وہ اب تک تمام چیزوں سے ایک دَم غیر وابستہ رہا ہے ـــــ اس کو حیرت ہوئی
ہ واقعی وہ کہیں بھی ..... کبھی بھی ..... کسی چیز سے انوالومنٹ (Involvement)
نہیں محسوس کر سکا ہے۔ یہاں تک کہ شرمگاہوں کی کساوٹ بھی اس کو باندھ نہیں سکی ہے .....
خری لمحوں میں ہمیشہ اس کو کتنی نفرت کا احساس ہوا ہے ..... حیرت ہے پوری دنیا اس میں
مرق ہے ..... لیکن وہ بھی تو غرق ہو ہی رہا ہے ..... منسر رحمان سے اس کے تعلقات ....
خر منسر رحمان کے بلاوے پر وہ بار بار کیوں جاتا رہا ہے ..... نہیں ..... وہ غرق نہیں ہے.
..... غرق ۔ منسر رحمان ..... مکار عورت ..... زناکاری کے بعد اپنے شوہر کا کتنا لاڈ پیار
رتی ہے ۔ بچارے رحمان صاحب ..... مذہبی آدمی ..... انہیں کیا معلوم کہ اپنے یار
سے ملنے والی عورت شوہر کے چونچلے ہمیشہ اسی طرح بگھارتی ہے ..... وہ منسر رحمان کو محض یہ
حساس دلانے جا رہا ہے کہ وہ ایک فاحشہ عورت ہے ..... وہ اپنی نفرت بانٹتے جا رہا ہے ...
ادنہہ ..... اس کو کیا ..... ؟ اب جب کہ وہ مر رہا ہے تو اس کو کیا ..... ؟ اُسے مرنے کی
یاری کرنا چاہئے .....

لیکن وہ کس طرح مرے ..... کیوں نہیں کھڑکی کی سلاخوں سے اپنی ٹانگیں پھنسا لے
ر الٹا لٹک جائے ..... اور زہر پی لے ..... ایسی حالت میں اس کی لاش دیکھ کر لوگ سوچیں
گے کہ عجیب و غریب موت مرا ہے ..... لیکن کیوں ..... ؟ وہ مرنے کے بعد بھی لوگوں کا ذہن
نی طرف کیوں کھینچنا چاہتا ہے ..... ؟ یہ اس کے کس جذبے کی تسکین ہے ..... ؟ کون سی
..... وہ کیوں چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ اس کی اہمیت دیں ..... ؟ کیا وہ اس لئے

www.taemeernews.com

تو نہیں مر رہا ہے کہ کسی نے اس کو اہمیت نہیں دی ..... ؟ نہیں ..... یہ غلط ہے .....
خود اُس نے کسی کو اہمیت نہیں دی .... وہ بس مرنا چاہتا ہے تو اس لئے کہ جینا نہیں
چاہتا .... لیکن یہ کون یقین کرے گا ؟ یہ کا کردچ تو یہی سوچیں گے کہ اس کی زندگی میں
کوئی بھاری کمی تھی اس لئے اس نے خودکشی کرلی جیسے زندگی سے ہارے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔
..... لیکن وہ زندگی سے ہارا ہوا نہیں ہے ..... زندگی کو اس نے اہمیت ہی کہاں دی ہے۔
.... زندگی اس کے نزدیک ایک لایعنی سی چیز رہی ہے اور وہ اپنی مرضی سے لایعنیت کا یہ جال
توڑ رہا ہے .... لیکن یہ بدروحوں کا غول ..... یہ شرمگاہوں میں فنا ہونے والے لوگ تو یہی
سوچیں گے کہ اس کی زندگی میں .... اونہہ .... لوگ کچھ بھی سوچیں .... اس کو کیا .... ؟
لیکن وہ مرنے کے بعد بھی کیوں جتانا چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی کمی نہیں تھی .....
وہ بس جینا نہیں چاہتا تھا اس لئے مرگیا ... گویا وہ مرنے کے بعد بھی کچھ دیر کے لئے ہی سہی
تمام لوگوں سے اپنی وابستگی قائم رکھنا چاہتا ہے ..... اگر وہ واقعی مرنا چاہتا ہے تو اس کو
کچھ بھی نہیں سوچنا چاہئے ..... اس کو بس خاموشی سے لیٹے رہنا چاہئے اور ایک بجے زہر
پی لینا چاہئے .... اور بس .... جس طرح وہ بے تعلق ہوکر جیا اُس طرح بے تعلق ہوکر مرا
بھی ... لیکن اس کا یہ سوچنا کہ وہ بے تعلق ہوکر مرا تعلق کا ایک جذبہ ہے ... اف وہ ....
اب اس کو کچھ بھی نہیں سوچنا ہے .... اب اس کو مرنا ہے ... وہ ایسا کرے کہ گھڑی میں ایک بجے
کا الارم لگادے اور الارم بجتے ہی زہر پی لے ..... زہر کی شیشی اسے سرہانے رکھ لینی چاہئے
.... اور اگر الارم ایک بجے سے پہلے بج اٹھا تو .... کچھ بھی ہو ..... الارم بجتے ہی وہ
زہر پی لے گا .....

یکایک ایک بلی کھڑکی کی راہ دھم سے اندر آکودی۔ وہ چونک اُٹھا۔ اس کی نظر ٹیبل پر
رکھے شیشے کے گلاس پر پڑی تو اس کو لگا کہیں بلی گلاس گرا نہیں دے ..... اس نے گلاس

www.taemeernews.com

ایک طرف کنارے رکھ دیا۔ تب وہ اپنی اس حرکت پر آہستہ سے مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔۔ یہ اس کا کون سا جذبہ ہے۔۔۔۔۔ یہ تیسری پہلو۔۔۔۔ خود تو مر رہا ہے لیکن گلاس کو ٹوٹنے سے بچانا چاہتا ہے۔۔۔۔۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ یکایک وہ اٹھا اور گھڑی میں ایک بجے کا الارم لگانے لگا۔ ناگہاں۔ اس کی نظر سڑک پر جاتے ہوئے ایک اپاہج پر پڑ گئی۔۔۔۔ وہ پھر مسکرایا۔۔۔۔ چہ۔۔۔۔ چہ۔۔۔۔ بےچارہ۔۔۔۔ ٹانگ کٹ گئی لیکن مرنا نہیں چاہتا۔۔۔۔ دوسری ٹانگ کٹ جائے تب بھی زندہ رہے گا۔۔۔ اگر ہاتھ کٹ جائیں تب بھی اڈجسٹ کرلے گا۔ ۔۔۔ اڈجسٹ۔۔۔۔۔ Adjust شاید اڈجسٹمنٹ ہی زندگی کا مقدر ہے۔۔۔۔ آدمی ہر حال میں اڈجسٹ کرلیتا ہے۔۔۔۔ جس وقت ٹانگ کٹی ہوگی سبھی ہمدرد بن گئے ہوں گے۔۔۔۔ سارے عزیز۔۔۔ سارے رشتہ دار۔۔۔۔ اسپتال میں بھیڑ لگ گئی ہوگی۔۔۔۔ اور اب یہ تنہا ہے۔۔۔۔ سب بھول چکے ہیں کہ اس کی ٹانگ کٹی ہوئی ہے۔۔۔ خود یہ بھی بھول چکا ہے۔۔۔۔ زندگی سے اڈجسٹ کرچکا ہے۔ آدمی ہمدرد نہیں ہوتا۔۔۔ آدمی ہمدردی کی رسم کو نبھاتا ہے۔۔۔۔ لیکن وہ کیوں کرے اڈجسٹ۔۔۔۔ اسے کوئی اڈجسٹمنٹ نہیں چاہئے۔۔۔۔ کوئی سمجھوتہ اسے منظور نہیں ہے۔۔۔۔ وہ مرے گا۔۔۔۔ ضرور مرے گا۔۔۔۔ ایک بجنے میں اب پندرہ منٹ باقی ہیں۔

وہ مسکرایا۔۔۔۔ بس پندرہ منٹ کی ہی تو بات ہے۔۔۔۔ پھر قصہ ختم۔۔۔۔ اچھا ہوا جو اس نے یہ فیصلہ کرلیا۔۔۔۔ اس کے گھر والے بھی کچھ رسم نبھائیں گے۔۔۔۔ شاید اس کا باپ کچھ زیادہ دنوں تک رسم نبھاتا ہے۔۔۔۔ باپ جو ہے۔۔۔۔ باپ۔۔۔۔ وہ مسکرایا۔۔۔۔ باپ بیٹے کا رشتہ صرف انا کا رشتہ ہے۔۔۔۔ میرا بیٹا۔۔۔۔ "میرا"۔۔۔۔ اگر باپ کے دو بیٹے ہیں ایک افسر اور دوسرا کلرک تو باپ سینہ پھلا کر کہتا ہے۔۔۔۔ میرا بیٹا افسر ہے۔۔۔۔ کبھی نہیں کہتا کہ میرا بیٹا کلرک ہے۔ کلرک کہنے سے انا مجروح ہوتی ہے۔۔۔۔ بیٹا اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ باپ کی

www.taemeernews.com

انا کا آلۂ کار بنا رہے ..... ساری عمر وہ بیٹے سے انا کی تسکین چاہتا ہے۔ سارے رشتے انا کے رشتے ہیں۔ محبت کا رشتہ کہاں ہے.... ؟ جہاں انا ہے وہاں محبت کہاں؟.... جب تک انا کی تسکین ہو رہی ہے رشتے نبھ رہے ہیں..... بیٹا لائق ہے .... ورنہ کمینہ ہے .... مردود ہے .... نکالو گھر سے ...... مرنے کے بعد بھی آدمی خود کو زندہ رکھنا چاہتا ہے ... بیٹے کے ذریعہ ..... اپنی نسل کے ذریعہ .... یا — مولا ایک بیٹا دے دو ..... یا بڑے پیر..... یا خواجہ ..... ایک بیٹے کا سوال ہے ..... پانچ بیٹیاں ہو گئیں .... ایک بیٹا دے دو۔ ..... خاندان کیسے چلے گا ..... میرا نام ..... "میرا" .... آدمی مرجاتا ہے انا نہیں مرتی .....

یکا یک بلّی نے ایک جست لگائی اور ٹیبل پھلانگتی ہوئی کھڑکی سے باہر چلی گئی ..... زہر کی شیشی ٹیبل پر گر پڑی ۔ تھوڑا زہر ٹیبل پر گر کر پھیل گیا۔ شیشی اس نے احتیاط سے اٹھا کر کنارے رکھ دی اور ہاتھ کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظریں کمرے میں دوڑنے لگیں۔ ایک جگہ اُس کو میلا کپڑا نظر آیا۔ کپڑا اٹھا کر وہ بڑے احتیاط سے ٹیبل پر گرے ہوئے زہر کو پونچھنے لگا۔ ٹیبل صاف کرنے کے بعد اس نے ایک بار کپڑے میں لگے ہوئے زہر کو دیکھا۔ اس کے جی میں آیا کپڑا کھڑکی سے باہر پھینک دے لیکن پھر اس کے قدم خود بخود غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔ ایک طرف کونے میں کپڑا پھینک کر وہ پھر پلنگ پر آ کر لیٹ گیا اور تب یہ سوچ کر اس کو حیرت ہوئی کہ کس قدر احتیاط سے اُس نے زہر صاف کیا تھا ..... گویا وہ مرنا نہیں چاہتا ..... اور دفعتاً اُس کو لگا کہ وہ اداس ہو گیا ..... اور جیسے وہ بے حد تنہا ہے ..... بہت بے بس ..... جیسے وہ جی بھی نہیں سکتا۔ .... مر بھی نہیں سکتا ..... اس کو محسوس ہوا کہ مرنے کی آرزو دراصل اس کے جینے کی تمنا ہے .... اور جینے کی تمنا میں وہ اب تک مرتا ہی رہا ہے ٹکڑے ٹکڑے مرتا رہا ہے ..... باپ کی اطاعت میں مرا ہے۔ دوستوں کی دلجوئی میں مرا ہے ..... مسز رحمان کی باہوں میں مرا ہے ..... وہ محض تضاد میں جیتا رہا ہے .... اور تضاد میں آدمی صرف مرتا ہے ..... ٹکڑے ٹکڑے مرتا ہے ....

www.taemeernews.com

اور وہ مر تار ہا ہے ....ٹکڑے ٹکڑے مر تار ہا ہے.....

اُس کا دل درد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔ شدت کرب سے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کو اپنی آنکھیں نم محسوس ہوئیں تو اس کے جی میں آیا خوب روئے .... پھوٹ پھوٹ کر روئے .....

یکایک گھڑی کا الارم بج اُٹھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج چکا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے وہ جوں کا توں لیٹا رہا..... اور پھر دوسرے ہی لمحے.....

اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنے آپ کو ایک دم پر سکون محسوس کرنے لگا تھا اب کوئی تضاد نہیں ہے...... جینے اور مرنے کا کوئی تضاد نہیں ہے.....کوئی جھوٹ نہیں ہے سچ ہے... ...صرف سچ .... وہ مر رہا ہے .... نہیں ..... وہ جی رہا ہے۔ سچائی میں جی رہا ہے.... چند لمحے ہی سہی .... اِن لمحوں میں وہ سچ سے ہمکنار ہو رہا ہے .... سچ سے ہمکنار.....آہ.... سچ بھی کیا پیاری شے ہے....

اور تب اس کو محسوس ہوا کہ وہ بے حد آہستہ سے اپنے آپ سے علٰحدہ ہو کر باہر سرک آیا ہے۔ .... اور پھیل گیا ہے کہاسے کی طرح ..... کمرے کی دیواروں سے باہر..... دھویں کے ستون کی مانند وہ بڑھ رہا ہے.... مسلسل ..... زمان و مکاں سے ماروا ..... آہ .... یہ کیسا سرور ہے ..... کیسا سرور ...... انبساط کی بے کراں ندی ہے .....جس کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ کوئی انتہا نہیں ہے.... وہ بے کراں لہروں میں ڈوب رہا ہے .....اُبھر رہا ہے .....ڈوب رہا ہے اُبھر رہا ہے ..... ڈوب .....آہ.....اب ندی بھی نہیں ہے ...... اب "وہ" بھی نہیں ہے .....

www.taemeernews.com

عکس عکس

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

دُھند کی اگر آنکھیں ہوتی ہوں گی تو اس کی آنکھوں جیسی ہی ہوں گی اور دُھند کے اگر چہرے ہوتے ہیں تو اس کا چہرہ ان چہروں جیسا ہی تھا۔

دراصل جو ناٹک ہم بند آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ایسا ناٹک خود ہمارا 'میں' رچاتا ہے اور خود اس میں وہ تماشہ بھی ہوتا ہے اور تماشائی بھی اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بند آنکھوں کے ناٹکوں میں ادھوری خواہشوں کا ہاتھ ابھر آجائے۔

تو دھند میں بند آنکھوں سے اس نے اکثر دیکھا تھا کہ وہ ایک تیز بھاگتی ہوئی کار کی پچھلی سیٹ پر خاموش بیٹھا ہے۔ کار کی اسٹیرینگ اس کو کالے اور کھردرے ہاتھوں میں نظر آتی ہے اور وہ یہ پہچان نہیں پاتا کہ اگلی سیٹ پر کون ہے؟ اکثر کھڑکی سے جھانک کر اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کار کس سمت میں جارہی ہے۔ لیکن وہاں صرف اُڑتی ہوئی ریت ہوتی اور ایسا ہوتا کہ اس کی آنکھیں بے حسی سے تھک جاتیں۔ اور تب اس کو کندھوں پر اپنی لاش کا بوجھ گراں محسوس ہونے لگتا اور وہ سوچتا کہ کار کسی حادثے کا شکار کیوں نہیں ہو جاتی۔

بات یہ تھی کہ جس وسیع مکان میں رہتے ہوئے اس کو پچیس سال ہو چکے تھے اس کی دیواریں ٹھنڈی اور اجنبی تھیں۔ دراصل پتھروں کی آنکھیں نہیں ہوتیں اور وہاں ساری دیواریں پتھروں

www.taemeernews.com

کی تھیں۔ جس کمرے میں اس کی لاش رہتی تھی اس کی دیواریں بھی ٹھنڈی اور سیاہ تھیں اور کھڑکیاں ان اطراف میں کھلتی تھیں جہاں ریگ زار تھے۔ اگر دھوپ کہیں چمکتی تھی تو اوپری منزل کی طرف جہاں کنول کے پھولوں جیسا چہرہ اس کو نظر آتا تھا۔ کمرے کی سیلن اور اندھیرے سے گھبرا کر وہ کبھی کبھی اوپر کی طرف دیکھتا۔ اور ایک دن جو بند آنکھوں کے ناٹک میں ادھوری خواہشوں کا ہاتھ لہرایا تو وہ اوپری منزل پر پہنچ گیا۔ لیکن وہاں دروازے اس کو بند ملے۔ اس نے دستک دینے کی کوشش کی تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح دستک دے؟ کیا کہہ کر پکارے؟ کس طرح پکارے؟ وہ دروازہ کی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ تب وہ سر جھکائے سیڑھیوں سے لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ یکایک کھلا۔ اندر اُسے کچھ لوگ ایک بڑی سی میز کے گرد بیٹھے نظر آئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں پلیٹیں تھیں۔ پھر اس کو وہ کنول کے پھولوں جیسا چہرہ بھی نظر آیا جو ان سب کی پلیٹوں میں مٹھائیاں رکھ رہا تھا۔ اور پھر اس نے دیکھا کہ ساری مٹھائیاں میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان ختم ہو گئی ہیں۔ اور تب اس کو محسوس ہوا کہ دھوپ نے یہاں بھی اپنے پَر سمیٹ لیے ہیں اور ساری دیواریں پتھروں کی ہیں اور پتھروں کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔

تب اس نے سوچا شہر میں میلے پانیوں کا ایک تالاب بھی ہے اور کنول کے پھول کیچڑ میں بھی کھلتے ہیں۔ تو پھر ایسا ہوا کہ اس نے آئینے کی سطح پر ناخن سے خراشیں بنائیں اور سارے دروازے بند کر دیے اور ان اطراف میں نکل گیا جہاں فضاؤں میں جلے ہوئے گوشت کی بُو رَچی ہوئی تھی۔

وہ ایک تاریک سی گلی تھی۔ ہر طرف قبرگاہوں کی سی خاموشی تھی اسے حیرت ہوئی کہ اس کے قدموں کی آوازیں بھی کہاں دفن ہو گئی ہیں۔ ہوا کی طرح برف میں گھلی ہوئی ٹھنڈک مکانوں پر بھی پھیل گئی تھی۔ اپنے پاؤں کے نیچے اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ آگھنکی

www.taemeernews.com

ہوئی کرچیں پڑی ہیں۔

سامنے ایک گرد آلود لیمپ پوسٹ کے قریب اس کو ایک مکان نظر آیا جس کی سفیدی انگلیوں کے میلے نشانات میں چھپ گئی تھی۔ وہ اندر گیا تو اس نے محسوس کیا کہ باہر بارش زور سے شروع ہوگئی ہے۔ کمرے میں ویسی ہی سیلن تھی۔ اس کو گھٹن کا احساس ہوا لیکن اُس نے چُپ چاپ جیب میں ہاتھ ڈال دیے اور انگلیوں سے کچھ گننے کے بعد ایک طرف بچھے ہوئے بستر پر بیٹھ گیا۔ بستر سے اس کو جلے ہوئے گوشت کی سی بُو آرہی تھی اور اس نے دیکھا کہ جو چہرہ بستر پر جھکا ہے اُس کی آنکھیں کیچڑ سے سَنی ہیں۔

اور تب کیچڑ سے سَنی آنکھیں بستر پر اکثر جھکی رہتیں اور جہاں تہاں برسنے والی بدلیوں میں وہ بھیگتا رہتا اور پھر ایسا ہوا کہ اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی پگڈنڈیوں کے اس سفر میں کچھ کیڑے اس کے دامن سے لپٹ گئے۔

تب اس نے سوچا کہ بہتر ہے طاق پر رکھی ہوئی کتاب جس کے حروف روشنیوں کے ہی ہاتھ میں لے لے اور اس نے صاف پانی کے چشمے میں غسل کیا۔ دُھلے ہوئے کپڑے پہنے خوشبوئیں لگائیں اور طاق میں رکھی ہوئی کتاب ہاتھ میں لے لی۔

ایسے میں ایک دن جو بند آنکھوں کا ناٹک ہوا تو وہ ریگ زاروں سے دور چمکتے ہوئے پانیوں والے چشمے کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں پانیوں میں دھوئے پھر اُس نے ہاتھ دھوئے اور کچھ چھینٹے اپنے چہرے پر مارے۔ اس کے قدم خود بخود ایک طرف بڑھنے لگے۔ کچھ دُور اس کو روشنی کی ایک پتلی سی لکیر پھولوں سے گھرے ایک سفید مکان سے آتی دکھائی دی تو اس کے قدم تیز ہوگئے۔ اس وقت اس نے یکایک محسوس کیا کہ مخالف سمت سے ہوائیں تیز ہوگئی ہیں۔ اس کو لگا وہ اب لڑکھڑائے گا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور قدم تیز کر دیے۔ روشنی کی لکیر اب نزدیک آتی گئی اور پھر وہاں اس نے ایک وسیع دریچے پر کنول کے پھولوں

www.taemeernews.com

جیسا چہرہ جھکا ہوا دیکھا۔ اس چہرے نے اس کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

وہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کی دیواریں سبز رنگ کی تھیں اور طاق پر بڑی بڑی قندیلیں روشن تھیں وہ ایک میز کے قریب بیٹھا تھا۔ اس میز پہ ایک بجھی ہوئی قندیل رکھی تھی۔ تب دودھ جیسے سفید ہاتھوں نے یکایک یہ قندیل روشن کی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہاں پھولوں کی سی تازگی تھی، وہ چہرہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں لمحہ بہ لمحہ تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اس نے یکایک محسوس کیا کہ اس کی میز پہ جو قندیل ابھی ابھی روشن ہوئی تھی آہستہ آہستہ پگھلتی جا رہی ہے اور جیسے یہ روشنی چند لمحوں کے لیے ہے۔ اس نے گھبرا کر اُس چہرے کی طرف دیکھا۔ پگھلتی قندیل میں وہ چہرہ اب دھندلا معلوم ہونے لگا تھا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹ ہل نہیں سکے۔ قندیل اس کے سامنے پگھلتی رہی اور وہ آنکھوں میں گھلتی برف کی بے بسی لیے دیکھتا رہا۔ اور پھر کمرے میں یکایک تاریکی چھا گئی۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اس کے قدم لڑکھڑائے۔ تب اس نے محسوس کیا کہ دودھ جیسے سفید ہاتھوں نے اس کو سہارا دیا ہے اس یکایک لمس کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد اس نے اچانک برف میں گھلی ہوئی ہواؤں کے نیزے محسوس کیے تو اس نے جانا کہ وہ سبز رنگ کی دیواروں سے باہر آ گیا ہے۔ اس نے آنکھیں اب بھی بند کر رکھی تھیں۔ اس پر ایک نامعلوم سا خوف چھانے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے آنکھیں کھولیں تو وہاں اُڑتی ہوئی ریت کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ تب اس کے جی میں آیا کہ وہ زور سے قہقہے لگائے۔ طاق پر رکھی ہوئی اس کتاب پر قہقہے لگائے جو روشنی کے حرفوں سے لکھی گئی تھی اور اس نے یکایک زور کا قہقہہ لگایا تو نمک اور جھاگ کا ذائقہ اس کی زبان پر ناچ کر رہ گیا۔

اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دور تک پھیلے ہوئے ریگ زار تھے۔ سامنے اس کو کالا سا

www.taemeernews.com

کار نظر آنے لگی جس کی اسٹیرنگ پر غیر مانوس کھردرے ہاتھ تھے اور جس کی پچھلی سیٹ پر اُس کو خاموشی سے بیٹھ جانا تھا۔ وہ سر جھکائے کار کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے سوچا یہ کار جب پالنا تھی تب سفید باہیں خلاؤں میں چلی گئی تھیں اور جب وہ پالنے سے کار میں آیا تو اسٹیرنگ پر کھردرے ہاتھ تھے۔

وہ جب کار کے قریب گیا تو اس کو حیرت ہوئی۔ وہاں کار کی بجائے پالنا رکھا تھا۔ وہ اچھل کر پالنے میں بیٹھ گیا۔ اور پھر اس نے دیکھا کہ مہربان ہونٹ اس پر جھک گئے ہیں اس کے ہاتھ ننھے منے ہاتھ بن گئے ہیں۔ وہ ہمک اُٹھا ہے اور کسی کی نرم باہوں نے اسے اوپر اُٹھا لیا ہے اور وہ سینے سے چمٹ گیا ہے۔ لیکن پھر اچانک اس نے محسوس کیا کہ سمندر ایسا وسیع سینہ بھی خالی ہے۔ وہاں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ تب پانی سے جھکے بادل اس کی آنکھوں میں بہت نیچے اُتر آئے اور اس کے ہونٹوں پر نمکین ذائقہ رینگ گیا۔ نہیں۔ نہیں۔ وہ آنکھیں نہیں کھولے گا ــــ وہ آنکھیں نہیں کھولے گا۔ اگر اس نے آنکھیں کھولیں تو وہاں وہی کالی سی کار ہوگی۔ اسٹیرنگ پر کالے ہاتھ ہوں گے اور اُڑتی ہوئی ریت ہوگی۔ نہیں ــ نہیں ــ وہ آنکھیں نہیں کھولے گا ــــ وہ آنکھیں نہیں .....

دھند کی دبیز تہوں میں وہ آنکھیں بند کئے پڑا تھا کہ دھند کی بھی آنکھیں ہوتی ہوں گی تو اس کی آنکھوں جیسی ہی ہوں گی اور دھند کے اگر چہرے ہوتے ہیں تو اس کا چہرہ بھی .....

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ایک عکس اور

(برف کی گزرگاہوں کا)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

چاروں طرف پھیلی ہوئی آگ میں اُس نے مڑکر دیکھا تو اس کا شوہر وہاں نہیں تھا اور دُور تک اَدھ جلی لکڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُس نے جیسے تھک کر آنکھیں بند کرلیں تو پپوٹوں میں اُٹھتے ہوئے شعلوں کی سُرخیاں پھیل گئیں اور پھر اُن سرخیوں کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ ان گلیوں میں اب گوریلے ہیں جہاں سے اس کا شوہر آگ کے ادھورے سفر میں واپس مڑ گیا ہے۔

تب بے حد اُداسی سے اُس نے ان کھڑکیوں کی طرف دیکھا جو اس نے اب بلا پردوں کے چھوڑ رکھی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کے قریب آئی اور سلاخوں سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ سلاخیں اسے ٹھنڈی لگیں تو اس نے اپنے رخسار سلاخوں سے ٹیک دیے۔ پھر اس نے آہستہ سے انھیں مٹھیوں میں دبایا اور اس کی سختی کو محسوس کر کے آنکھیں بند کرلیں۔

اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہاں ادھ جلی لکڑیوں کا آتشیں رنگ گہرا ہوگیا تھا۔

دراصل جب بھی سمندر اس کی دہلیز کو چھو کر گزرا تو ان لمحوں میں اپنے شوہر کی موجودگی میں وہ تنہا ہوگئی اور اس کے شوہر کے نقش پا ساحل پر ادھورے رہ گئے۔ اس کا شوہر یہ کبھی محسوس نہیں کر پایا کہ اس کے جانے کے بعد لکڑیاں ادھ جلی ہیں۔ پھر ان ادھ جلی لکڑیوں کی بُو باس پاکر گوریلے منھ بند غاروں سے باہر نکل پڑے تھے۔ اور تب آہستہ آہستہ اَدھ جلی لکڑیاں اس کے

www.taemeernews.com

گرد بیحد پراسرار جال بننے لگی تھیں۔ پھر یہ جال روز بہ روز اس کے گرد تنگ ہونے لگا تھا۔ اور جب کبھی کبھی رینگتی چیونٹیاں اس جال میں پھنسنے لگتیں تو وہ اکثر محسوس کرتی کہ گھنے جنگلوں سے ہو کر گزرنے لگی ہے اور وہاں ہر طرف گوریلے چھپے ہیں۔ پھر گوریلے درختوں کی اوٹ سے یکایک نکل کر اس کا تعاقب کرنے لگتے اور وہ ایک انجانی سمت میں بھاگنے لگتی۔ ایسے میں اس کو کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا۔ پھر اچانک کوئی اس کو صدائیں دینے لگتا اور وہ چونک پڑتی۔ وہ پہچان نہ پاتی کہ اس کو آواز دینے والا کون ہے؟ لیکن اس کو لگتا کہ آواز دینے والے نے اس کو ضرور پہچان لیا ہے۔

اور ایک دن جب گھنے جنگلوں میں وہ راستہ ڈھونڈ رہی تھی تو اس اجنبی آواز کو اس نے یکایک پہچان لیا تھا۔ یہ آواز اس کو لمبے قد والے اس آدمی کی لگی تھی جو ان دنوں اس کے سامنے کے مکان میں آکر رہا تھا۔ پھر وہ آواز کی سمت مڑ گئی تھی۔ لیکن جب کچھ دور گئی تھی تو کسی نے اس کو شانوں سے پکڑ لیا تھا اور جب اُس نے مڑ کر دیکھا تھا تو اس کی بہن تھی۔ اس وقت اس کی بہن کا چہرہ اس کے چہرے سے حیرت انگیز طور پر مل رہا تھا۔ پھر اس کی بہن نے بتایا کہ جب وہ آواز کی سمت مڑی تھی تو آس پاس کے مکانوں کے دریچے کھل گئے تھے اور وہاں شور مچ گیا تھا۔ تب وہ سر جھکائے گھنے جنگلوں سے واپس مڑ گئی تھی اور پھر اس کو شوہر کی پشت پر خنجر کے نشان نظر آئے تھے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایسے لمحوں میں کوئی اس کے دروازے پر یکایک دستک دینے لگتا۔ تب وہ چونک پڑتی۔ اس کا دل ایک جانے پہچانے خوف سے دھڑکنے لگتا۔ تب اس کو لگتا کوئی اس کے کمرے میں آنا چاہتا ہے۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھولتی۔ لیکن وہاں کوئی نہ ہوتا۔ تب وہ محسوس کرتی کہ ادھ جلی لکڑیوں کا جال اس کے گرد اور تنگ ہو گیا ہے اور گوریلے اس جال کو چاروں طرف سے کھینچ رہے ہیں۔ ایسے میں بے حد اداسی سے وہ ان کھڑکیوں کی طرف دیکھتی جو اس نے بلا پردوں کے چھوڑ رکھی تھیں۔ پھر وہ کھڑکی کی سلاخوں سے لگ کر کھڑی ہو جاتی۔

www.taemeernews.com

وہ انہیں مٹھیوں میں آہستہ سے دباتی اور ان کی سختی کو محسوس کر کے آنکھیں پل بھر کے لئے بند کر لیتی۔ سلاخیں اسے ٹھنڈی لگتیں تو وہ اپنے رخسار ان سے ٹیک دیتی اور پھر وہ محسوس کرتی کہ دور تک آگ کے سلسلے کی کوئی حد نہیں ہے اور تب اس کو سامنے کے مکان کا دروازہ کھلا نظر آتا۔

ایک دن جب وہ آنکھیں بند کیے پڑی تھی تو اس کے کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا اور اس کے سامنے لمبے قد والا وہی شخص کھڑا تھا جو اس کے سامنے کے مکان میں رہتا تھا۔ پھر اس نے یکایک جیب سے ایک تیز چاقو نکال کر دکھایا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ یہ چاقو اس کے ہاتھوں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی تھی۔ پھر اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تھا کہ آس پاس کے مکانوں کے دریچے کھل تو نہیں گئے ہیں؟ اور وہاں دریچے کھل گئے تھے۔

پھر ایک دن وہ اس کو کھلی سڑک پر اچانک نظر آ گیا تھا۔ اس دن ہوا بیحد برفیلی تھی اور سورج کہیں بدلیوں میں چھپ گیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ کھلی سڑک پر خاموش چل رہی تھی۔ لمبے قد والا آدمی آگے آگے جا رہا تھا اور بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ پھر یکایک پولیس اس آدمی کا پیچھا کرنے لگی تھی۔ اور جب اس نے ایک تنگ سی گلی میں گھسنا چاہا تھا تو پولیس نے گولی چلا دی تھی۔ لیکن گولی اس کے شوہر کے پاؤں میں لگ گئی تھی اور اس کا شوہر لڑکھڑا کر گر پڑا تھا۔ جب جھک کر اس نے شوہر کا زخمی پاؤں دیکھنا چاہا تھا تو اس کے شوہر نے اس کو زور کا جھٹکا دیا تھا اور وہ سڑک پر گر پڑی تھی۔ پھر لمبے قد والے آدمی نے یکایک اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور اس کے کانوں میں جھک کر اس نے آہستہ سے کہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں کچھ فروخت .....

اور تب ہی اس نے اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھول دی تھیں اور پردے الگ کر دیے تھے۔ اور جب کبھی رینگتی چیونٹیوں کا قافلہ اس کی دہلیز پر آ لگتا، سمندر شور مچانے لگتے تو وہ کھڑکی کی

www.taemeernews.com

سلاخوں سے لگ کر کھڑی ہو جاتی انھیں مٹھیوں میں آہستہ سے دباتی اور ان کی سختی کو محسوس کر کے آنکھیں .....

اور تب اس کی آنکھوں میں آگ کے ادھورے سفر کی کہانیاں لکھی ہوتیں۔

پھر ایک دن اس نے اچانک کچھ ایسا محسوس کیا جیسے برف باری کا موسم قریب آگیا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشے بھی اسے دھندلے معلوم ہوئے۔ اس دن وہ آنکھیں بند کئے خاموش پڑی رہی اور تب اس کا شوہر آگیا تھا۔ اور جب اس نے جھک کر اس کی پیشانی چھوتے ہوئے پوچھا تھا کہ اس کی طبیعت ناساز تو نہیں ہے تو اس کا دل یکایک نفرت اور غصے سے بھر گیا تھا۔ اُس نے بے حد نفرت سے سوچا تھا کہ ابھی اس کا شوہر روشنی گل کرے گا پھر پابستہ پرندوں کو آواز دے گا۔ اس کی ناکام انگلیاں حرکت میں آئیں گی اور جب وہاں لہروں کا شور ہوگا تو پرندے اس کی گرفت سے ....

اور جب اس کے شوہر نے پرندوں کو آواز دینا چاہا تھا تو اس نے بیٹھ موڑ لی تھی اور پھر ان لمحوں میں اس کو بستر بیحد ٹھنڈا معلوم ہوا تھا اور اس کو ایسا لگا تھا جیسے اس کی زبان پر برف کی قاشیں رکھی ہیں۔ اور تب اس کو احساس ہوا کہ وہ برف کی گذرگاہوں میں نکل آئی ہے۔

اور اس دن ایسا ہوا تھا کہ سمندر کی فردشاں موجیں گذر گئی تھیں اور وہ پتھر بنی رہی تھی۔

اور تب ان لمحوں میں وہ اکثر پتھر بنی رہتی۔

برف باری کے اس موسم میں ایک دن اس نے دیکھا کہ اس کی بہن کسی اجنبی کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھی ہے۔ اس اجنبی کی ناک اس کو بیحد لمبی لگی۔ اس اجنبی نے اس کو بتلایا کہ وہ اس کے لیے کشادہ اور گرم کمرے کا انتظام کرنا چاہتا ہے۔ اس پر اس نے اجنبی کو مہربان نگاہوں سے دیکھا تھا اور پھر اس سے کہا تھا کہ اس کی زبان میں آج کل نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ تب اجنبی نے یکایک اس کے منہ سے زبان کھینچ کر باہر نکال لی تھی اور ہتھیلی پر رکھ کر اُلٹ پلٹ

www.taemeernews.com

کر دیکھنے لگا تھا۔ تب اجنبی نے اسے بتایا کہ اس کی زبان برف کی طرح ٹھنڈی ہے۔ اس پر اُس نے سر ہلا کر اعتراف کیا تھا اور اس کے ہاتھ سے زبان لے کر منھ میں رکھتی ہوئی بولی تھی کہ اب برف باری کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ اور اب چیزیں برف سے ڈھک جائیں گی۔

تبھی اس کا شوہر آ گیا تھا۔ اس کی پیشانی شکن آلود تھی۔ اس کی بہن اور اجنبی کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ پھر اس کے شوہر نے کہا تھا کہ وہ جانتا ہے کہ کسی دن اجنبی .....

اور وہ یکا یک آگ بگولہ ہو گئی تھی اور بڑے سخت لہجے میں اس نے شوہر کو سخت سست کہا تھا۔ اس کا شوہر خاموش رہا تھا اور پیچھے پشت کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت پر خنجر کے نشان تھے۔

ایسے میں ایک دن وہ گھنے جنگلوں سے گزری تو اس نے دیکھا کہ درختوں کے پتے سفید ہو گئے ہیں۔ ہر طرف برف ہے اور سارے گوریلے برف میں دفن ہیں۔ اسے ان گلیوں میں بھی برف اٹھی نظر آئی جہاں سے اس کا شوہر واپس مڑ گیا تھا۔ اور پھر ہر طرف پھیلی ہوئی برف کی بے کراں دھند میں آہستہ آہستہ ایک چہرہ اس کی نگاہوں میں اُبھرنے لگا۔ اس چہرے کے خدوخال اسے جانے پہچانے لگے اور پھر اس نے دیکھا کہ اس چہرے کے ہاتھ میں ایک تیز پھاوڑا ہے اور وہ گلیوں کی برف کریدرہا ہے۔ اس کو دیکھ کر اس چہرے نے بتایا کہ وہ اس کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش اسے دیکھتی رہی۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ اس سے کہہ دے کہ اب فرد شاں موجیں وہاں سے نہیں گزرتیں لیکن وہ خاموش رہی اور اس کو محسوس ہوتا رہا کہ اس کی زبان پر برف کی قاشیں رکھی ہیں۔

وہ سر جھکائے اپنے کمرے میں واپس لوٹ گئی تو اس نے دیکھا کہ کھڑکیوں کے شیشے دھندلے پڑ گئے ہیں اور کہیں کوئی مکان نظر نہیں آ رہا ہے ....

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

عکس تین

انگلیاں سانپ بنی رینگتی ہیں

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

طوفان جب گزر گئے اور اس کی سانسیں کچھ ہموار ہوئیں تو ہمیشہ کی طرح اُس نے
سوچا کہ اپنی پیشانی اس نے سیاہ کرلی ہے اور تب اپنے ہاتھ بھی اس کو سیاہ نظر آئے اور اس کو لگا
کہ اس کی انگلیاں اس طرح سانپ بن کر رینگنے کی لذت میں کیکڑے کے پاؤں کی طرح ٹیڑھی ہوگئی
ہیں۔ بیحد ندامت سے اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ جو چرچ کی طرف کھلتی تھی اور جس کے پٹ
اب گرد آلود ہو گئے تھے۔ تھکے قدموں سے وہ اٹھی اور کھڑکی کے پٹ کھولے تو چرچ کی طرف جانے
والے راستے دھندلے دکھائی پڑے اور تب اس کو احساس ہوا کہ روشن اور ہموار راستوں سے
وہ کس قدر دور ہوگئی ہے۔ اور تب بہت اُداسی سے اس نے سوچا کہ ایسا تو وہ ہمیشہ سوچتی ہے۔
کئی دن بھی جب دھند چھٹ گئی تھی تو اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ ڈھلان میں بہت نیچے اُتر
آئی ہے اور اس دن اس نے فیصلہ بھی کرلیا تھا کہ آئندہ اور نیچے اُترنے کی کوشش سے وہ
باز رہے گی۔ لیکن آج پھر.....

بات یہ تھی کہ جب سفر میں سمندر کے راستے آئے تھے تو وہ اس موڑ سے بائیں طرف مڑ گئی
اور سمندر کی طرف جانے والے راستے جب بائیں طرف مڑتے ہیں تو ایسے راستوں میں عموماً
ڈھلان ہوتی ہے۔ ڈھلان میں اُترتے ہوئے ایک لمحے کے لئے اس کو ضرور احساس ہوا تھا

www.taemeernews.com

تھا کہ وہ دائیں طرف سے ہو کر جانے والے ہموار اور کشادہ راستوں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن تیز ڈھلان میں تلذذ میں ڈوبے اس کے پاؤں رُک رُک کر آگے بڑھتے ہی گئے تھے۔

کچھ ایسا ہوتا کہ ان لمحوں میں جب پراسرار خوشبوئیں اپنے پر پھڑپھڑاتیں تو اس کی انگلیاں اپنا روپ بدل لیتیں۔ اور پھر پاؤں قینچی کے بازوؤں کی طرح کھل جاتے۔ آنکھیں بند ہو جاتیں۔ تب انگلیاں سانپ بنی نیچے کی طرف رینگنے لگتیں..... پھر وہاں سے نیچے اُترتیں..... اور تب اس کی سانسیں گہری ہونے لگتیں ــــ انگلیاں کچھ اور نیچے اترتیں..... پھر سانسیں کچھ اور گہری ہونے لگتیں..... پھر انگلیاں کچھ اور..... اور تب غیر ہموار سانسوں کے درمیان آہستہ آہستہ ایک چہرہ ابھرتا اور کسی چمکتے ہوئے سفید سڈول بازو نگاہوں میں تلوار کی طرح لہرانے لگتے اور محراب کی طرح اُٹھی ہوئی نوکیلی.....

اور جب طلسم ٹوٹتا اور انگلیاں اپنے بدلے روپ پر شرمسار واپس لوٹتیں تو غیر ہموار اور ہموار ہوتی سانسوں کے درمیان وہ ایک بار ضرور سوچتی کہ اس نے اپنی پیشانی سیاہ کر لی ہے اور تب اس کو اپنے ہاتھ بھی سیاہ لگتے اور انگلیاں کیکڑے کے پاؤں کی طرح ٹیڑھی لگتیں....

دراصل جو عورت اس کے پڑوس میں رہتی تھی، اس کو بیحد خوبصورت لگی تھی۔ کئی بار اس نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور پھر بعد میں اس کو اپنی اس بھدی حرکت کا احساس بھی ہوا تھا۔ ایک بار جب وہ اس کے کمرے میں جھانک رہی تھی تو وہ اس کو کپڑے بدلتے نظر آئی تھی اور تب وہ اس کے سفید اور چمکتے ہوئے سڈول بازو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ پھر وہ دیر تک اپنی نگاہیں وہاں سے نہیں ہٹا سکی تھی۔ اس دن اپنے کمرے میں آکر اس نے خود کو کوسا تھا کہ وہ کتنی بھدی اور بدشکل ہے۔

اور تب ایک دن اس نے دیکھا تھا کہ وہ عورت اس کے کمرے میں چلی آئی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مرد بھی تھا۔ اس عورت کو دیکھ کر وہ یکایک خوش ہو گئی تھی اور اس کو بیٹھنے کے لیے کہا

www.taemeernews.com

۔ پھر وہ مٹھائیوں کی پلیٹ لائی تھی اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے خوشدلی سے کہا
اکہ وہ اکثر اسے یاد کرتی رہتی ہے۔ اور تب اس عورت نے مسکرا کر اس مرد کی طرف دیکھا تھا جو
ے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ تب اس کی بھی نظر مرد پر پڑی تھی اور وہ یکایک چونکی تھی اور پھر اس کو
برت ہوئی تھی کہ وہ اب تک نظر کیسے نہیں آسکا تھا۔ وہ مرد اس کو بیحد بدصورت لگا تھا۔
ٹھائی کی پلیٹ لے کر اس عورت نے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس کے ساتھ سمندر کی سیر کو جا سکے گی؟
ا پر وہ خوش ہوگئی تھی اور اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ ایسا تو وہ خود کئی دنوں سے سوچ رہی تھی۔

پھر ایک دن وہ یہ سوچ کر گھر سے نکلی تھی کہ اس سے کچھ دیر بات چیت کرے گی تو راستے میں
ے سائیکل پر سوار چند نوجوان مل گئے تھے ان کے ساتھ سائیکلوں پر آگے بیٹھی ہوئی لڑکیاں بھی
یں۔ وہ سب اس کو دیکھ کر یکایک ہنسنے لگے تھے۔ اور پھر انہوں نے آپس میں سرگوشیوں کے
ماز میں کچھ کہا تھا تو وہ ایک دم گھبرا گئی تھی اور تب اس نے دیکھا تھا کہ اس کے ہاتھ میں جو سائیکل
ے اس کا پہیہ اُلٹا گھوم رہا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ سب اس موڑ سے دائیں طرف چلے گئے
ں جہاں سے وہ بائیں طرف مڑ کر اس عورت کے گھر جانا چاہتی تھی۔

اور تب اس نے مڑ کر دیکھا تھا تو چرچ کی طرف جانے والے راستے بیحد دھندلے
ھائی پڑے تھے۔

ایک دن وہ پھر ان لمحوں کی گرفت میں آگئی تھی۔

اس دن ہواؤں میں ٹھنڈک تھی۔ کھڑکی کے پٹ اُس نے کھولے تھے تو ٹھنڈی ہوائیں
ں میں چبھتی سی محسوس ہوئی تھیں۔ اس کو اچھا لگا تھا۔ وہ دیر تک کھڑکی کے قریب ٹھنڈی ہواؤں
لطف لیتی رہی تھی۔ پھر یکایک کالے بادل چھا گئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش شروع ہوگئی تھی۔ تب
ے میں بھیگنے کی اس نے یکایک عجیب سی خواہش محسوس کی تھی۔ اس کو لگا تھا کہ اس کے بدن پر
ٹیاں سی چڑھنے لگی ہیں۔ تب اس نے اپنے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال دیے تھے اور بارش

www.taemeernews.com

کی بوندوں کو ہتھیلیوں پر محسوس کرنے لگی تھی۔ پھر اُس نے آنکھیں بند کرلی تھیں اور رخسار کھڑکی سلاخوں سے ٹیک دیے تھے۔ بارش کے چھینٹے اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ پھر دھیمی دھیمی سی آنچ وہ اپنے چاروں طرف محسوس کرنے لگی تھی۔ تب کھڑکی کی سلاخوں کو اس نے آہستہ سے مٹھیوں میں دبایا تھا۔ یکایک بارش میں بھیگنے کی اس کی خواہش بڑھ گئی تھی۔ سلاخوں کو اس نے تھوڑا زور سے دبایا تھا۔ بارش سے بھیگی ٹھنڈی سلاخوں کا کڑاپن اس کو اچھا لگا تھا۔ تب سلاخوں پر اُس نے آہستہ سے ہاتھ پھیرا تھا اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ سامنے بجلی کے تاروں پر دوڑتے بھاگتے بارش کے قطرے اس کو بڑے سادہ و معصوم لگے تھے۔ وہ سلاخوں سے رخسار ٹکائے بارش کے قطروں کو دیکھتی رہی تھی۔ ایک قطرہ جب دوسرے قطرے کو چھو لیتا تھا تو ایک میں مل کر بڑا سا قطرہ بن جاتا تھا۔ اور پھر نیچے زمین پر گر پڑتا تھا۔ وہ کچھ دیر بارش کے قطروں کا یہ کھیل دیکھتی رہی تھی اور پھر اس نے یکایک یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی انگلیاں اب اپنا روپ بدلنا چاہتی ہیں۔ تب ہی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی تھی اور پلنگ پر لیٹ گئی تھی۔ پھر ٹھنڈی ہواؤں کا ایک جھونکا کمرے میں آیا تھا اور کھڑکی کے پٹ آپس میں آہستہ سے ٹکرائے تھے۔ تب اُس نے تکیہ سر سے نیچے ہٹا لیا تھا اور کروٹ سے لیٹ گئی تھی۔ پھر تکیہ کو اس نے سینے پر رکھ کر آہستہ سے دبایا تھا اور آنکھیں بند کرلی تھیں۔ پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا کمرے میں آیا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ انگلیوں پر اب اس کا بس نہیں ہے وہ بہرحال..... اس کی انگلیاں اس کے بس سے باہر ہوگئی تھیں اور پھر نیچے اُترنے لگی تھیں.... اور تب بند آنکھوں میں آہستہ آہستہ ایک چہرہ اُس کے سامنے اُبھرنے لگا تھا..... سفید چمکتے سڈول بازو..... اس کی سانسیں گہری ہونے لگی تھیں.... محرابوں کی اُٹھی ہوئی نوکیلی گولائیاں.... اس کی سانسیں کچھ اور گہری ہونے لگی تھیں..... سڈول چمکتے بازو..... سانسیں کچھ اور گہری..... سانسیں..... اور گہری..... اور پھر سا..... نسیں..... ا..... و..... ر..... اور پھ

www.taemeernews.com

ہوا کا آخری تیز جھونکا آیا تھا اور کھڑکی کے پٹ یکایک دو تین بار آپس میں زور زور سے ٹکرائے تھے اور بارش کے چھینٹے یکایک اندر تک آ گئے تھے اور دیواریں بارش کے قطروں سے بھیگ گئی تھیں۔

تب اس کی سانسیں آہستہ آہستہ ہموار ہونے لگی تھیں۔ پھر وہ چہرہ بھی دھندلا ہونے لگا تھا..... اب سانسیں اور ہموار ہوئی تھیں .... چہرہ معدوم ہو گیا تھا ..... اب اُس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

اور تب ان آنکھوں میں برسے بادلوں سے خالی آسمان کا سارنگ تھا۔ چرچ کی طرف جانے والے رستے.....

پھر سو جانے کی کوشش میں اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں ـــــ اور کچھ دیر بعد یکایک دروازہ کھل گیا تھا اور اس نے مڑ کر دیکھا تھا تو نگاہیں نہیں ملا سکی تھی۔ اس کا چہرہ بیحد روشن اور وجیہہ تھا۔ پھر اس روشن چہرے نے خاموشی سے چرچ کی طرف اشارہ کیا تھا تو جواب میں اس نے سر جھکا لیا تھا۔ تب اس چہرے نے پوچھا تھا کہ اب تک کے سفر کی اس کے پاس کیا روداد ہے؟ اس پر وہ خاموش رہی تھی۔ تب اس نے آہستہ سے اس کے گال تھپتھپائے تھے اور کہا تھا کہ یہ بات چھپی نہیں ہے کہ اس نے کچھ بیحد بھدی اور میلی تصویریں اکٹھی کر رکھی ہیں اور بہتر ہے وہ انھیں تلف کر دے۔ تب بے حد تھکے قدموں سے وہ اس کھڑکی کی طرف آئی تھی۔ جو چرچ کی طرف کھلتی تھی۔ اور پھر اُس نے کھڑکی کے گرد آلود پٹ سے اپنا سر ٹیک دیا تھا۔ اور تب یکایک شور مچ گیا تھا۔ اور اس نے دیکھا تھا کہ کچھ عورتیں اندر چلی آئی ہیں۔ اور پھر انہوں نے گھبرائے ہوئے کہا تھا کہ اس کے مکان میں آگ لگ گئی ہے۔ اس پر وہ بھی گھبرا گئی تھی اور جلدی میں کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ پھر اس نے دیکھا تھا کہ اس کا مکان آگ میں بُری طرح جل رہا ہے۔ اور تب اس کو یکایک خیال آیا تھا کہ اس کی چھوٹی بہن تو کمرے میں ہی رہ گئی تھی۔ اور پھر یہ سوچ کر

www.taemeernews.com

کہ کہیں وہ جل نہ جائے۔ وہ بہت گھبرا گئی تھی۔ تب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آسکا تھا کہ وہ کس طرح اس کو بچا سکے گی۔ وہ دیکھ ہی تھی کہ عورتیں آگ بجھانے کی جتنی کوششیں کر رہی تھیں آگ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اور تب اس کے جی میں آیا تھا کہ یہ عہد کرلے کہ اگر اس کی بہن بچ گئی تو وہ آئندہ انگلیوں کو سانپ بننے نہیں دے گی۔ لیکن پھر اس نے سوچا تھا کہ شاید اس کی بہن پڑوس میں بچوں کے ساتھ کھیلنے گئی ہوگی۔ لیکن پھر اس کے دل میں ایسا عہد کر لینے کی بات آئی تھی۔ لیکن پھر اُس نے اسی لمحے میں سوچا تھا کہ شاید اس کی بہن پڑوس میں .....

اور جب آگ بہت دیر تک نہیں بجھ سکی تھی تو وہ سر جھکائے وہاں سے ہٹ گئی تھی اور تب اس نے دیکھا تھا کہ وہ ایک تنگ و تاریک گلی میں خاموشی سے چلی جا رہی ہے۔ گلی بیحد تنگ تھی اس کو اپنا دَم گھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جلد از جلد گلی سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اس وقت اس کو یاد آیا تھا کہ گلی کی دوسری طرف کشادہ اور ہموار سڑک تھی اور اس طرف صاف پانیوں کا ایک تالاب بھی تھا۔ گلی پار کرنے کے لئے اس نے قدم اور تیز کر دیے تھے۔ لیکن گلی آگے اور تنگ ہوتی جا رہی تھی تب اس نے قدم اور تیز کر دیے تھے اور تب لیکایک اس کو لگا تھا کہ شاید گلی کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا اور اب شاید اس کا دَم گھُٹ جائے گا۔ اس نے قدم اور تیز کر دیے تھے۔ پھر وہ تقریباً دوڑنے لگی تھی اور تب اس کے قدم لیکایک لڑکھڑائے تھے اور پھر اُس نے دیکھا تھا کہ وہ نالی میں گر پڑی ہے۔ اور تب اس کو محسوس ہوا تھا کہ وہ اب تک نالی میں ہی چلتی آئی ہے۔ اس کے کپڑے نالی کے میلے پانیوں سے تر ہو گئے تھے۔ اس وقت ایک لمحے کے لئے اُس نے سوچا تھا کہ اُس نے ایسا کیسے سمجھ لیا تھا کہ اس کی بہن گھر سے باہر ہوگی۔ اُس نے ایسا جان بوجھ کر....

اور تب لیکایک کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیے تھے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور اس سے نگاہیں نہیں ملا سکی تھی۔ اور تب اس نے گھٹنے پر سر ٹیک دیا تھا۔

www.taemeernews.com

"اس کا مکان جل گیا۔ وہ بچی بھی جل گئی۔" کسی نے آہستہ سے کہا تھا۔

"اس کو معلوم ہے — اس کو معلوم ہے ....." اس نے بیحد کمزور آواز میں کہا تھا۔

"اس وقت وہ اگر عہد کر لیتی تو شاید ....."

تب بے حد اُداس ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ گلی دور تک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی چلی گئی تھی۔

اور بیحد اداس ہو کر اس نے گھٹنے پر پھر سر ٹیک دیا تھا۔

———— ❖ ————

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

عکسِ چار

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ادھیڑ عمر کا وہ شخص بالکل پاپا کی طرح لگا تھا۔ اسی طرح کنپٹیوں کے پاس اس کے بال سفید ہو گئے تھے اور بات چیت کا انداز بھی وہی تھا۔ اس کے شوہر کی کسی بات پر وہ یکایک زور سے ہنسا تھا تو اس کی آنکھیں اسی طرح ملقوں میں دھنس گئی تھیں اور گالوں پر شکن پڑ گئے تھے۔ تب ایک اچٹتی سی نظر اُس نے اپنے شوہر پر ڈالی تھی جو اس وقت اس کو اس قدر اجنبی معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے حیران رہ گئی تھی۔ پھر وہ یہ سوچ کر اُداس ہو گئی تھی کہ اس کا شوہر پاپا سے کسی قدر مختلف تھا۔

اس کے شوہر نے بتایا کہ ادھیڑ عمر کا وہ شخص اس کا دور کا رشتہ دار تھا۔ وہ دیر تک دھوپ میں کرسیاں بچھائے بیٹھے رہے تھے۔ بات چیت کے دوران وہ زیادہ تر خاموش رہی تھی۔ اور تب اس کو آہستہ آہستہ ہر طرف ایک گہرے پھیکے پن کا احساس ہونے لگا تھا۔ جیسے سارے رنگ یکایک بھدے پڑ گئے ہوں۔ پھر اسی درمیان میں اس کا شوہر کچھ دیر کے لئے اندر چلا گیا تھا اور وہ دونوں تنہا رہ گئے تھے۔ تب اس نے یکایک محسوس کیا تھا کہ وہ شخص اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس کو لگا شاید وہ اس سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور کچھ دیر تک اس کی آنکھوں کو اپنے چہرے پر محسوس

www.taemeernews.com

کرتی رہی تھی۔ اس کے دل میں آیا تھا کہ شاید وہ پیشانی کے قریب اس کے بالوں کو انگلیوں سے آہستہ سے پیچھے ہٹائے گا اور نرم لہجے میں کہے گا .... بے بی.... کیا بات ہے ؟ بہت چپ چپ ہو ..... وھاٹ از دی میٹر ..... لیکن پھر اس کا شوہر آ گیا تھا اور ایسی کوئی بات نہیں ہو سکی تھی اور تب اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر تو بالکل اجنبی ہے۔

دراصل اس عجیب پھیکے پن کے احساس سے وہ پہلے بھی دوچار رہی تھی۔ اکثر چپ چپ رہتی۔ یکایک اداس ہو جاتی۔ تب اسے ساری چیزیں مصنوعی بے کیف اور بھدی لگنے لگتی تھیں۔ ایسے میں وہ کھڑکی کے قریب بیٹھ جاتی۔ پھر اس کی نگاہیں خلاؤں میں کچھ ڈھونڈنے لگتیں۔ آسمان میں بادل طرح طرح کی شکلیں بناتے معلوم ہونے لگتے۔ تب اس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگتیں۔ ..... پھر پاپا قریب آجاتے تھے اور اس کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے آہستہ سے کہتے تھے ..... بے بی ..... کیا بات ہے .....؟ بہت اُداس ہو ؟ بے بی ..... اور اس کا جسم آہستہ آہستہ کانپنے لگتا تھا۔ اس کو لگتا جیسے وہ سچ مچ بے حد اُداس ہے۔ بے حد تنہا۔ ۔ اور تب ایک گہرے پھیکے پن کے احساس سے وہ بھر اُٹھتی تھی۔ وہ دیر تک پھیکے پن کے احساس میں ڈوبی رہتی اور اس کا جسم آہستہ آہستہ اسی طرح کانپتا رہتا۔ آنکھیں بند رہتیں۔ پھر پاپا کب اُٹھ کر چلے جاتے اس کو پتہ بھی نہ رہتا۔

ایک دن اس نے کھڑکی کھولی تو دیکھا درختوں کے سارے پتے ٹوٹ کر نیچے گر گئے تھے۔ اور وہاں ہر طرف خشک پتوں کا ڈھیر تھا۔ آسمان کا رنگ مغربی کناروں پر گہرا سُرخ ہو گیا تھا۔ ہوائیں ساکت تھیں پھر وہ درختوں کے درمیان سے ہو کر گذرنے لگی تھی۔ تب دور تک سوکھے درختوں کا سلسلہ پرانے غلاموں کی طرح خاموش لگا تھا۔ ہر طرف مکمل سکوت تھا۔ پھر ایک بوڑھے درخت کے تنے سے وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی تو خشک پتے اس کے بوجھ سے یکایک ٹوٹے تھے اور ان کے ٹوٹنے کی آواز گہرے سکوت میں ایک لمحے کے لئے اُبھر کر دہ گئی تھی۔

www.taemeernews.com

پھر اُس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ تب یکایک دور سے کسی کے گانے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اُس نے مڑکر پیچھے دیکھا تھا۔ کوئی اس کی طرف آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کو ایک لمبی سی بانسری بھی نظر آئی تھی۔ اس کو لگا شاید وہ اس کو بانسری بجانے کو کہے گا۔ پھر وہ اُٹھ گئی تھی اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگی تھی تو آنے والے نے اسے یکایک پکارا تھا۔ اس نے مڑکر پیچھے دیکھا تھا۔ اور قدم تیز کر دیئے تھے۔ پھر وہ تقریباً دوڑنے لگی تھی تو اس کو محسوس ہوا تھا کہ بانسری والا چہرہ بھی دوڑنے لگا ہے۔ تب ہی اس کو ایک شکستہ سا مکان نظر آیا تھا۔ وہ جلدی سے اس مکان میں گھس گئی تھی اور تب اس کی سانسیں کچھ ہموار ہوئی تھیں۔ اس پرانے مکان میں وہ خود کو محفوظ محسوس کررہی تھی۔ پھر کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے تھے۔ اس نے مُڑکر پیچھے دیکھا تھا۔ وہ کوئی عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس نے آہستہ سے اس کے گال تھپتھپائے تھے اور کہا تھا.... بے بی.... کیا بات ہے.....؟... پریشان ہو.....؟... دھاٹ ازدی میٹر....؟

ایک دن اس نے کھڑکی کھولی تو باہر بارش یکایک شروع ہوگئی تھی۔ بارش کا اس طرح یکایک شروع ہوجانا اس کو اچھا لگا تھا۔ پھر تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ ہواؤں کے جھونکوں سے بارش کے چھینٹے اندر تک آنے لگے تھے۔ تب اُس نے خشکی کے احساس سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور کھڑکی کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ پھر ہوائیں تیز ہوگئی تھیں۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ کانپنے لگا تھا لیکن وہ آنکھیں بند کئے اسی طرح بیٹھی رہی تھی اور تب اس کو لگا تھا کہ کوئی برف میں ڈوبی انگلیوں سے اس کو آہستہ آہستہ بار بار چھونے لگا ہے..... اس نے آنکھیں کھولیں تو پاپا کھڑے تھے اور پاپا نے کہا تھا کہ اسے کھڑکیاں بند کرلینی چاہیے تھیں۔ وہ خاموش رہی تھی۔ پاپا اس کے قریب بیٹھ گئے تھے اور اس کے بالوں کی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے انھوں نے آہستہ سے کہا تھا کہ وہ تو بالکل بھیگ گئی ہے۔ پھر وہ ان کے لئے چائے بنانے اُٹھ گئی تھی تو اس کو یکایک خیال آیا تھا

www.taemeernews.com

کہ ٹوکری میں کچھ سیب ہیں۔ ٹوکری سے سیب نکالتے ہوئے اس نے ایک بار پاپا کی طرف دیکھا تھا۔ پھر طشتری میں سیب لئے وہ پاپا کے قریب بیٹھ گئی تو پاپا نے جیب سے چاقو نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور تب بند دریچوں کے باہر بارش کا شور اس کو بے حد عجیب لگنے لگا تھا۔ جیسے وحشی پرندوں کا غول آس پاس ایک تنگ دائرے میں تیزی سے گردش کر رہا ہو۔

ایک دن پاپا اچانک بیمار پڑ گئے تھے۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔ لیکن پھر اس نے جلد ہی محسوس کیا تھا کہ پاپا کی خدمت میں اس کو ایک طرح کا سکون ملنے لگا تھا۔ کبھی آدھی رات کے قریب جب پاپا کی آنکھ لیکایک کھل جاتی تھی تو وہ کمزور لہجے میں اس کو آرام کرنے کی تاکید کرنے لگتے تھے۔ لیکن وہ اسی طرح ان کے سرہانے بیٹھی رہتی تھی۔ کبھی کبھی پاپا اس کا سہارا لے کر بیٹھتے تھے تو وہ عجیب سکون محسوس کرتی تھی۔

اور جب پاپا اچھے ہوئے تو وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہ تو ایک دم اجنبی ہو گئے تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد بے بی کے ہاتھ پیلے کر دیں گے۔

اور جب اس کی شادی ہوئی تو کوئی چیز جیسے کہیں چلتے چلتے لیکایک رک گئی تھی۔ جیسے منجمد ہو گئی تھی۔ شوہر کی باہوں میں وہ جیسے ریت میں دھنسنے لگی تھی۔ شوہر کی گرم سانسیں اس کو اتنی بے کیف، اتنی غیر مانوس اور اتنی بیکار لگتیں کہ اس کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ ایسے میں محض اسکی سانسیں تیز تیز ہو کر رہ جاتی تھیں اور کچھ بھی تو نہیں ہو پاتا تھا۔ جیسے فوارے کے منہ پر کسی نے پتھر رکھ دیا ہو۔ اور اس کا شوہر جب سو جاتا تو وہ ایک گہرے پھیکے پن کے احساس سے بھر اٹھتی تھی۔

پھر جب اس کے شوہر سے ملنے کوئی ادھیڑ عمر کا شخص آیا تھا تو وہ چونک اٹھی تھی۔ وہ بالکل پاپا کی طرح لگا تھا۔ اسی طرح کنپٹیوں کے پاس سے اس کے بال بھی سفید ہو گئے تھے اور بات چیت کا انداز بھی وہی تھا۔ اس دن وہ دیر تک ان کے درمیان بیٹھی خود کو تنہا محسوس کرتی تھی۔

ایک دن وہ لیکایک چونکی۔ جب اس کے شوہر نے اس کے شانوں پر آہستہ سے ہاتھ

www.taemeernews.com

رکھتے ہوئے پوچھا تھا کہ وہ اس قدر اُداس کیوں ہے؟ اس نے حیرت سے شوہر کی طرف دیکھا تھا۔ شوہر کا یہ رویہ بالکل پاپا کی طرح لگا تھا۔ پھر اس کے شوہر نے کہا تھا کہ بہتر ہے کچھ دنوں کے لئے پاپا کے یہاں ہو آئے۔ تب اس کو اپنی آنکھیں یکایک نمناک محسوس ہوئی تھیں۔ اور جسم آہستہ آہستہ کانپتا ہوا معلوم ہوا تھا۔ پاپا کے یہاں جانے کے خیال سے اس کا دل ایک عجیب احساس سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کو یکایک لگا تھا کہ شاید پاپا بیمار پڑ گئے ہیں۔ شاید پاپا کو ابھی اس کے سہارے کی بہت ضرورت ہے شاید وہ اس کے منتظر ہیں۔ شاید اب بھی وہ اس کا سہارا لے کر اسی طرح بیٹھیں گے۔ اُسی طرح اس کے ہاتھوں سے دوا پئیں گے۔ شاید اب بھی جب آدھی رات کے قریب ان کی نیند یکایک ٹوٹ جائے گی تو وہ اس کو آرام کرنے کی تاکید کریں گے۔ شاید اب بھی جب ....

پھر وہ بہت جلدی میں گھر پہنچی تھی لیکن وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ پاپا بالکل اچھے تھے۔ اس کے اس طرح اچانک آجانے پر انھوں نے تعجب کا اظہار کیا تھا اور اس کے شوہر کی خیریت پوچھی تھی۔ اور تب اس نے یکایک محسوس کیا تھا کہ پاپا بہت بدل گئے ہیں۔ اور اس کو حیرت ہوئی کہ پاپا اس قدر اجنبی کیسے ہو گئے؟

وہ جب تک وہاں رہی تھی یہ خیال اس کے دل میں آتا رہا تھا کہ شاید اب پاپا بیمار پڑ جائیں گے۔ شاید اب .... اور پھر اس کا شوہر آگیا تھا۔ اور تب وہی گہرے پھیکے پن کا احساس...

وہ جب واپس لوٹنے لگے تو اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر اسٹیشن پر کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ اس بھیڑ میں اسے زیادہ تر عمر رسیدہ لوگ نظر آئے تھے اور پھر دفعتاً اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کا شوہر ان لوگوں کے درمیان آگے نہیں بڑھ پا رہا ہے۔ پھر ٹرین آگئی تھی اور کسی نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیئے تھے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس شخص کے بال کنپٹیوں کے پاس سے سفید تھے۔ پھر وہ جلدی سے ٹرین میں چڑھ گئی تھی۔ اس

www.taemeernews.com

وقت اس کو محسوس ہوا تھا کہ پشت پر کھڑے اس عمر رسیدہ شخص نے اس کو سہارا دیا ہے اور تب ہی اس کو اپنے شوہر کی ایک جھلک بھی نظر آئی تھی جو اپنے لئے راستہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس عمر رسیدہ شخص نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا اور پھر ٹرین چل پڑی تھی۔ تب کچھ اداسی سے اس نے سوچا تھا کہ اس کا شوہر جو اس سفر میں ساتھ نہیں ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے۔

تب ایک بار اس کا شوہر سخت بیمار پڑا۔ اس کو اس طرح بیمار دیکھ کر اس نے ایک عجیب سی بے چینی محسوس کی تھی۔ جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی انتہائی سخت سی چیز یکایک نرم ہو گئی ہو۔ بیمار پڑ جانے سے اس کا شوہر بہت کمزور ہو گیا تھا اور ایک دن جب اس کے قریب بیٹھی تھی تو یکایک چونک پڑی تھی۔ نقاہت کی اس حالت میں وہ بابا سے بہت ملنے لگا تھا۔ اسی طرح آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں اور داڑھی بڑھ گئی تھی۔ چہرہ مرجھا گیا تھا اور جب ایک بار بیماری کی حالت میں اس کے شوہر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آہستہ سے دبایا تھا اور اس کے بالوں کی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا کہ وہ اس قدر اداس کیوں ہے تو اس کی آنکھیں یکایک نمناک ہو گئی تھیں اور جسم آہستہ آہستہ کانپنے لگا تھا۔ پھر اس کے شوہر نے اس کو اپنے قریب کھینچ لیا تھا تو اس نے بے اختیار اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔ تب اس کو لگا تھا کہ اب اس کا شوہر گاؤں کو آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے کہے گا — بے بی ..... بہت اداس ہو ..... دھاٹ ازدی میٹر ..... اور دفعتاً اس کو شوہر کی گرم سانسوں کا احساس پہلی بار ہوا تھا۔ اور جیسے کانوں میں بہت دور سے آوازیں آتی ہوئی معلوم ہوئی تھیں — بے بی ..... بے بی ..... دھاٹ ازدی میٹر ..... بے بی .... اور تب اس کو پہلی بار ایک جانی پہچانی سی بے چینی محسوس ہوئی تھی۔ جیسے کوئی انتہائی نرم سی چیز یکایک سخت ہو گئی ہو۔ جیسے کوئی منجمد چیز یکایک حرکت میں آ گئی ہو۔ شوہر نے بانہوں کی گرفت اور سخت کی تھی تو

www.taemeernews.com

ں کی داڑھی کی تیز چبھن کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ تب اس کی سانسیں تیز تیز ہونے لگیں ۔وہ جیسے گہری دھند میں ڈوبنے لگی تھی.... بے بی.... بے بی..... اور تب ں کو لگا کہ اب اس کی گرفت سے کوئی چیز نکل جائے گی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحہ جیسے اس کی رفت سے کوئی چیز نکل گئی تھی..... اُف..... اُف.... جیسے فوارے کے منہ سے ھر یکایک ہٹ گیا تھا...... جیسے منجمد کوئی چیز یکایک پگھل گئی تھی...... حرکت ں آ گئی تھی......

پھر دونوں ایک گہری نیند میں ڈوب گئے تھے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

آدمی اور مین سوچئے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اس بار بھی اس کا جھک آنا اس کو کسی مرے ہوئے آدمی کی طرح بے کار لگا تھا اور اس کی طرف سے اُٹھتے شعلوں کا ہر مطالبہ اس بار بھی اسی طرح محض ایک بے کار سے تناؤ پر ختم ہوگیا تھا اور اس دوران وہ برف بنی ساکت رہ گئی تھی۔

تب ہمیشہ کی طرح وہ بے دلی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ بھی کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے سگریٹ سلگایا تو اس کو لگا کہ اس بار وہ چڑھ گیا ہے۔ اس کے جی میں آیا مڑ کر اس کے چہرے پر بیزاری اور جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ لیکن پھر وہ اسی کروٹ لیٹی رہ گئی تھی۔ اور اس درمیان اس کو یہی محسوس ہوا تھا کہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے وہ بھی اس کی طرف ضرور بیزار نگاہوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ اور اب اکتا کر اُٹھ جائے گا۔ اور ٹہلتے ہوئے کہے گا کہ وہ ان دنوں بالکل اَن رسپانسِو (Unresponsive) ہوگئی ہے۔ لیکن جب وہ اسی طرح بیٹھا بے دلی سے سگریٹ کے کش لگاتا رہا تھا تو بے حد جھنجھلاہٹ سے وہ سوچنے لگتی تھی کہ اس کا اس طرح سے بیٹھے رہنے کا انداز کتنا بھدا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ یکایک اُٹھا تو اس کے اس طرح یکایک اُٹھ جانے سے پلنگ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ ہل کر رہ گئی تھی۔ اس کے قدموں کی چاپ سے اس نے محسوس کیا دھا تھ قدم

www.taemeernews.com

کی طرف جا رہا ہے۔ پھر باتھ روم سے پانی گرنے کی آوازیں آنے لگی تھیں تو وہ ایک گہری سانس لیتی ہوئی چت لیٹ گئی تھی۔

باتھ روم سے آکر اُس نے اس پر ایک اُچٹتی سی نگاہ ڈالی تھی اور کرسی کھینچ کر کھڑکی کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔ شاید اس نے ٹیپ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی اس بے توجہی پر اس کو یکایک غصہ آ گیا۔ کچھ دیر تک وہ پانی گرنے کی رَر رَر سنتی رہی تھی اور پھر کپڑے درست کرتی ہوئی اُٹھ گئی تھی۔ باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے غصے سے سوچا تھا کہ وہ حد درجہ کیریلیس ہے اور اس کی اسی کیریلیس نس کی وجہ سے....

ٹیپ بند کرتے ہوئے اس کے جی میں آیا کہ اس کی عادت کی شکایت کرے۔ لیکن پھر خاموشی سے پلنگ پر آ کر لیٹ گئی تھی۔ وہ اب بھی اسی طرح کرسی پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ سگریٹ اب اس کی انگلیوں میں آدھا جلا ہوا تھا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اس کے اِس طرح مسلسل خاموش رہنے سے خود وہ چڑھ رہی ہے۔ تب اُس نے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر بیٹھ گیا تھا۔ اور دونوں پاؤں کھڑکی سلاخوں کے درمیان پھنسائے تھے۔ اس کا پائے جامہ گھٹنے کے اوپر سرک آیا تھا۔ اس کے اس طرح بیٹھے رہنے کا انداز اس کو بھدا لگا۔ پھر اس نے دوسرا سگریٹ سلگایا تو وہ یکایک تیز لہجے میں بولی تھی کہ اب وہ سونا چاہتی ہے اور وہ روشنی گُل کر دے تو بہتر ہے۔ لیکن جب وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا تو وہ یکایک غصہ سے اٹھی تھی۔ اور روشنی گُل کر کے ایک جھٹکے سے پلنگ پر لیٹ گئی تھی۔ لیکن تب بھی اس کے رویّے میں فوراً کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ پہلے اس نے سگریٹ کے دو چار طویل کش لئے تھے اور ایک بار مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اور پھر پلنگ پر آ کر لیٹ گیا تھا۔

اُس دن بھی یہی ہوا تھا۔ اس کی پیش قدمی کا وہ کوئی خیر مقدم نہیں کر سکی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی سانسیں بھی غیر ہموار نہیں ہوئی تھیں۔ اور اس کے متحرک رہنے کا سارا عمل محض ایک بے کار

www.taemeernews.com

سے تناؤ پر ختم ہوگیا تھا۔ اور تب وہ اس دن پوچھ بیٹھا تھا کہ اس کی طبیعت ناساز کیوں ہے تھی ..... اور وہ یہ سن کر آہستہ سے مسکرائی تھی اور یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ اس طرح پوچھ لینے میں اس کو فخر کا احساس ہوا ہے۔ اس دن اس کے جی میں آیا تھا کہہ دے وہ تو ایک دم نارمل ہے لیکن خود اس میں کچھ کمی .....

دراصل اب یہ احساس اس کے لئے کسی طویل مرض کی طرح تکلیف دہ ہوگیا تھا کہ وہ اب اس کی چند بہت نجی باتوں میں بھی اس کے احساس کمتری کا کوئی پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ گرچہ شروع شروع کی چند رسمی ملاقاتوں میں بھی اس کی بات چیت میں اس کو احساس برتری کی جھلک ملی تھی لیکن تب اس نے اُس کے اِس اندازِ گفتگو کو محض اس کی صاف گوئی پر محمول کیا تھا۔ مثلاً پہلے بھی اس کا یہ کہنا کہ لاشعوری طور پر فیر سیکس کو پناہ اور حفاظت کی تلاش رہتی ہے اور یہ کہ خود کو پیٹر سیکس کی باہنوں میں محفوظ سمجھنا احساس کمتری کا نتیجہ ہے۔ اس کو بہت عجیب نہیں لگا تھا۔ انھیں دنوں اپنے ایک دوست کے بارے میں اس نے ایک بہت نجی بات بھی بتائی تھی وہ یہ کہ اس کے نوعمر لڑکوں سے ہم جنسی تعلقات تھے۔ پر ہم جنسی رجحانات پر مزید باتیں کرتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ دراصل فیر سیکس میں یہ ٹینڈنسی (Tendency) کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ انکا میکے سے اتنا لگاؤ اور ایک دوسرے کے سامنے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کپڑے تبدیل کرنا دراصل ان کی لیٹنٹ ہوموسیکسوئلٹی ہے اور تب یہ سوچ کر اس کو عجیب ضرور معلوم ہوا تھا کہ وہ اس سے اس قسم کی باتیں اتنا کھل کر کیوں کرتا ہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ وہ جو اتنی سادگی اور اتنی صاف گوئی سے کھل کر باتیں کر رہا تھا تو ایسے میں اس کا یہ احتجاج اس کو ضرور آؤٹ ڈیٹڈ لگے گا۔ ان دنوں اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی بات چیت کا یہ صاف گو اور عجیب انداز دراصل اس کو اچھا لگا ہے۔

لیکن کبھی کبھی جب وہ بات چیت کے موڈ میں بالکل نہیں ہوتی تو ایسے میں اس کی موجودگی

www.taemeernews.com

اس کو عموماً کسی بے معنی سفر کی طرح بے کار لگتی تھی۔ لیکن وہ بھی جیسے اس کی اِس خاص کیفیت کو پڑھ لیتا۔ ایسے میں وہ بھی خاموشی سے کسی میگزین کے ورق الٹتا رہتا۔ اور تب اس کا اس طرح خاموش بیٹھے رہنا اور میگزین کے ورق اُلٹتے رہنا اس کو ہلکی بارش کی طرح خوشگوار لگنے لگتا۔ اور ان دنوں اس نے محسوس کیا تھا کہ اس سے بندھ جانے کے متعلق وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی۔

تب شروع شروع کے چند دنوں میں یہ جان کر اس کو خوشی ہوئی کہ وہ اس کے احساسات کا پاس کرتا ہے۔ مثلاً کبھی کبھی جب وہ خود کو آتشیں لمحوں کی گرفت میں یہی محسوس کرتی اور وہ کسی کتاب میں منہمک رہتا تو یہ کہتے ہوئے کہ وہ روشنی گُل کر دے اس کو ہمیشہ غیر مناسب معلوم ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے میں اس کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے بھی دیکھنے میں اس نے اکثر احتراز کیا تھا۔ لیکن تب بھی وہ آتشیں لمحوں کی تحریریں پڑھ لیتا اور کتاب بند کر کے اس پر ہنستے ہوئے جُھک آتا تو وہ بھی یکایک ہنس پڑتی اور غیر ہموار سانسوں کے درمیان سوچتی کہ احساسات پڑھ لینے میں وہ کتنی دسترس رکھتا ہے۔

ایک دن جب رینگتی چیونٹیاں اس کے قریب جال بُن رہی تھیں تو وہ دیر تک کسی کتاب میں منہمک رہا تھا۔ تب اس نے اپنے پاؤں کی انگلیاں اس کے تلوے سے مس ہو گئی تھیں۔ اور پھر کچھ دیر اپنے پاؤں کو اس نے اسی پوزیشن میں رکھا تھا۔ تب اس نے اس طرح مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا کہ وہ جھینپ گئی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ اس کو کچھ معنی خیز لگی تھی۔ اس کو لگا جیسے اس کو امید تھی کہ وہ پیش قدمی کرے گی اور وہ اس کی طرف سے اس مخصوص اشارے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ تب بے حد ندامت سے اس نے سوچا تھا کہ اس طرح سگنل دینے کی اس کی حرکت واقعی بھدّی تھی اور آئندہ وہ کسی طرح کا بھی اشارہ کرنے سے پرہیز کرے گی لیکن پھر بعد میں اس کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ دراصل اس کی طرف سے اس مخصوص اشارے کا انتظار کرتا رہا ہے۔ کیوں کہ بعد کے دنوں میں وہ اکثر کسی نہ کسی کتاب کے ورق خواہ مخواہ بھی

www.taemeernews.com

الٹتا رہا تھا اور اس کی طرف سے پیش قدمی کا وہ انتظار کرتی رہ گئی تھی۔ اور تب اس کا اس لئے پہل نہیں کرنا کہ وہ اپنی جانب سے ایسا اشارہ کرے اس کو کسی تیز خلش کی طرح تکلیف دہ لگا تھا اور وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ یہ اس کا احساس برتری ہے۔

اور ایک دن اس کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ واقعی ایک جارحانہ قسم کے احساس برتری میں مبتلا ہے۔ اُس دن وہ ڈرائنگ روم کے لئے کچھ تصویریں خرید لائی تھی اور وہ بڑے بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا تھا اور دیر تک ہنستا رہا تھا پھر اس نے ہنستے ہوئے ان تصویروں کو ایک دم بچکانہ کہا تھا۔ اور اس کے گال اس طرح تھپتھپائے تھے جیسے وہ کوئی کم عمر بچی ہو۔ اس کا اس طرح بے ڈھنگے پن سے ہنسنا اور اس طرح اس کے گال تھپتھپانا اس کو کسی اچانک حادثے کی طرح اذیت ناک معلوم ہوا تھا۔ اور جب وہ اس دن اس پر جھکا تھا تو وہ پہلی بار کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی۔ اس کے جی میں آیا تھا اس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھے۔ تب وہ زور سے ہنسا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ ضرور اس کے ارادے کو بھانپ چکا ہوگا۔ اس کے کانوں میں اس نے مدھم سروں میں شروع کر دی تھیں۔ وہ اس کے لمس کی جادوگری سے واقف تھی۔ حسب معمول وہ اس کی گردن کے کنارے کنارے ہونٹوں سے برش کرنے لگا تھا اور اس کی انگلیاں اس کی ریڑھ کی ہڈی پر زینہ بہ زینہ آہستہ آہستہ نیچے اُترنے لگی تھیں اور تب وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی کہ آتشیں لمحے اس کو اپنی گرفت میں لے رہے ہیں اور وہ آہستہ آہستہ پگھل رہی ہے۔ پھر اس نے یکایک اپنی انگلیوں کو ایک مخصوص ..... تب وہ اس کی طرف مڑے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور اس کی آنکھوں میں آتشیں لمحوں کا نشہ چھا گیا تھا۔

پھر جب اس کی سانسیں ہموار ہو گئی تھیں تو اس نے سوچا تھا کہ آئندہ وہ اس کے احساس برتری پر احتجاج ضرور کرے گی۔

پھر ایک دن جب وہ کلینڈر میں کچھ تاریخوں پر سُرخ نشان لگا رہی تھی تو وہ اسی طرح

www.taemeernews.com

بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا تھا۔ اور وہ چونک اٹھی تھی۔ یہ وہی ہنسی تھی۔ وہی بے ڈھنگے پن کی ہنسی۔ اس کو لگا اس پر پھر کوئی تکلیف دہ حادثہ گذرے گا اور جب اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ فیرسیکس کے احساس کمتری کی ایک وجہ ان کا بائیولوجیکل سسٹم بھی ہے تو اس کو محسوس ہوا جیسے اس نے اس کے کپڑے اُتار لئے ہیں اور اب اس کی برہنگی کا اعلان کر رہا ہے اور وہ یکا یک بڑے طیش میں بولی تھی کہ وہ کسی طرح کے احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہے۔ اس پر وہ اور زور سے ہنسا تھا۔ اور کہنے لگا تھا کہ اچھا ہے ایسے موقع پر وہ چار پانچ دنوں کے لئے باہر جا رہا ہے اور جب آئے گا تو امید ہے وہ فری (Free) رہے گی۔ لفظ فری پر وہ کس طرح مسکرایا تھا، یہ مسکراہٹ اس کو کسی ناپاک مرض کی طرح حد درجہ گھناؤنی لگی تھی۔ اس کو پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ حد درجہ فحش ہے اور حد درجہ خود غرض۔ اس کو یاد آ گیا کس طرح اس نے شروع شروع کی چند رسمی ملاقاتوں میں اس کو متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کی صاف گوئی، وہ اس کا بات چیت کا انداز وہ اس کا لب و لہجہ وہ اس کا خاموشی سے میگزین کے ورق اُلٹتے رہنا۔ یہ سب محض اس کو متاثر کرنے کے اس نے سوانگ رچے تھے۔ وہ صاف گو نہیں تھا بلکہ دراصل یہ اس کا لذت پرست بیمار ذہن تھا۔ جس نے اس کو صاف گوئی پر محمول کیا تھا۔ اس کو لگا جس راستے سے وہ جڑی ہوئی ہے وہ کسی گندی نالی کی طرف مڑ گیا ہے اور اس کے جی میں جب آتا ہے اس کے چہرے پر نالی کا کیچڑ مل دیتا ہے۔

اور جب چار پانچ دنوں کے بعد وہ واپس آیا تو اسی طرح مسکرایا تھا اور اس کو یہی محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے پر کیچڑ مل رہا ہے اور اب کہے گا، کیوں۔؟ ہوگئیں فری ..... تو آؤ..... اتارو کپڑے .....

اور جب روشنی گل ہوئی تھی تو اس کا جھک آنا اس کو کسی مرے ہوئے آدمی کی طرح بیکار لگا تھا۔ اور جب اس نے اسی جادوئی انداز میں اس کے کانوں میں مخصوص سرگوشیاں شروع

www.taemeernews.com

کردی تھیں تو وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی۔ تب وہ پھر زور سے ہنسا تھا اور اس کی انگلیاں حسب معمول اس کی پشت پر زینہ زینہ آہستہ آہستہ نیچے اُترنے لگی تھیں۔ اس نے اس کا ہاتھ جب پرے جھٹک دیا تو وہ اور زور سے ہنس پڑا تھا اور یکایک اس کو اپنی بانہوں میں بھر کر تیز تیز سانسوں کے درمیان اس کے کان میں آہستہ آہستہ پھسپھسایا تو اس کو لگا وہ پھر پگھلنے لگی ہے۔ پھر وہ اس کی گردن کے کنارے کنارے ہونٹوں سے برش کرنے لگا تھا۔ اور جب اس نے اپنی انگلیوں کو ایک مخصوص ..... تب بے اختیار اس کی رگوں میں شرارے سے ناچ اُٹھے تھے۔ غیر ہموار سانسوں کے درمیان وہ اس کی طرف متحرک ہو اُٹھی تھی۔ اور تب وہ یکایک رُکا تھا اور ہنسنے لگا تھا اور ایسے میں اس کا یکایک رُک جانا اور اس طرح یکایک ہنسنا شروع کر دینا اس کو ایک ذلیل حرکت لگی تھی۔ یہ وہی ہنسی تھی ..... وہی بے ڈھنگے پن کی ہنسی۔ اس کو لگا وہ ہنس نہیں رہا ہے بلکہ بھری روشنی میں اس کی برہنگی کا اعلان کر رہا ہے اور تب اُس نے ہنستے ہوئے کہا کہ دراصل فیر سیکس اور الکٹرک لائن میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس لائن کا کون سوئچ کب کام کرتا ہے یہ جاننا ایک آرٹ ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلیوں کو ایک انتہائی گستاخ سی حرکت دی تھی اور ہنستے ہوئے کہنے لگا تھا کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے کیس میں یہی مین سوئچ .....

اور فوراً اس کا ہاتھ اس نے بے حد نفرت سے جھٹک دیا تھا۔ اس کو محسوس ہوا کہ وہ کسی ٹھنڈے ربڑ کی طرح یکایک سکڑ گئی ہے۔ اور جب وہ اس کی طرف پھر متحرک ہوا تھا تو اس کے متحرک رہنے کا سارا عمل اس کو بے حد مکروہ لگا تھا۔ ایک بار وہ پھر تیز تیز سانسوں کے درمیان اس کے کانوں کی لوؤں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے آہستہ سے پھسپھسایا۔ لیکن اس کی تیز گرم سانسیں اس کو بے حد سرد لگی تھیں۔ جیسے کسی نے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر یکایک برف کی سل رکھ دی ہو۔ وہ ہر لمحہ خود کو برف میں دھنستی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ کہ اگر اس نے برف کے ملبے سے سر اُٹھایا

www.taemeernews.com

تو وہ فاتحانہ انداز میں کہے گا۔ دیکھا کس طرح الکٹرک لاین میں بجلی .....

اور تب اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کی خاص کمزوری کو پھر گرفت میں لے رہا ہے جس کو اس نے ہنستے ہوئے مین سوچ نام دیا تھا۔ لیکن اس نے فوراً اپنی سانسیں روک لی تھیں اور کسی اونگھتی بلی کی طرح دم سادھے پڑی رہ گئی تھی۔ اور جب اُس نے وہاں پر اپنے ہونٹ بھی ..... تو اس کو لگا وہ پھر پگھلنے لگی ہے۔ لیکن نہیں ..... ایک دم نہیں ..... اُف.. ... اس کو بالکل نہیں ہونا ہے ..... ایک دم نہیں ..... اس کو فوراً اپنا دھیان .... ورنہ وہ ..... پ ..... گھ ..... ل ..... ے ..... اور اس نے فوراً اپنا دھیان دوسری طرف موڑ دیا تھا اور جلدی جلدی کل کے مینو کے بارے میں سوچنے لگی تھی کہ وہ کل سادھ انڈین ڈش بنائے گی ..... اور وہ دودھ والے کا حساب ..... لیکن وہ نیا کرایہ دار .... جو .... آیا ..... ہے ..... ہاں .... اس کو ایک دم نہیں .... اور ..... وہ .... جو .... نیا .... کرایہ دار ... نہیں ...ایک دم ..... اور تب اس نے محسوس کیا کہ فوارے کی طرح یکایک پھوٹ پڑنے جیسی کوئی چیز جیسے برف میں کہیں دھنس گئی ہے ..... کہیں رُک گئی ہے۔

اور تب وہ پوچھ بیٹھا تھا کہ اس کی طبیعت ناساز تو نہیں تھی .... اور وہ پہلی بار مسکرائی تھی اور اس کے جی میں آیا تھا زور سے قہقہے لگائے ..... بیچارہ بٹیر سیکس ! اتنا بھی نہیں جانتا کہ الکٹرک لاین خود فیر سیکس کی مٹھی میں ہوتی ہے وہ جب چاہے اسے فیوز کر سکتی ہے..

اُس نے محسوس کیا کہ اس کے اس طرح پوچھ لینے میں اس کو فتح کا احساس ہوا ہے۔ اور تب اکثر ایسا ہوا تھا کہ اس کے متحرک رہنے کا سارا عمل محض ایک بے کار سے تناؤ پر ختم ہو گیا تھا اور وہ برف کے ملبے میں دبی رہ گئی تھی۔

اور اس بار بھی اس کا جھک آنا اُس کو کسی مرے ہوئے آدمی کی طرح .....

www.taemeernews.com

کچھ دیر بعد اس کو لگا وہ اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے اور شاید اس کے اِس رویّے پر کمنٹ (comment) کرے گا۔ وہ بھی اس بار کہہ دے گی کہ خود اس میں کچھ کمی بڑھی ہے۔ اس کے جی میں آیا ایک بار مڑ کر اس کو دیکھے اور تب وہ اس کی طرف مڑی تھی۔ لیکن اس نے فوراً بیٹھ دوسری طرف کر لی تھی۔ اور تب یہ سوچ کر کے وہ واقعی چڑھ گیا ہے ۔ وہ پھر مسکرائی تھی۔ شاید وہ کچھ نہیں پوچھے .... یہ بھی اس کا احساس برتری ہے .... یہ تو وہ سمجھ ہی گیا ہوگا کہ ایسا وہ دانستہ کر رہی تھی .... اور شاید اس کے اس عمل کو وہ احساس کمتری کا نام دے .....

کیوں نہیں وہ اس کو اپنی طرف متحرک ہونے کی پھر دعوت دے اور جب وہ مڑنے گا تو پھر برف ..... اور وہ مسکرائی تھی اور اپنے پاؤں کو اس نے اس طرح جنبش دی تھی کہ اس کے پاؤں کی انگلیاں اس کے تلوے سے مَس ہو گئی تھیں۔ لیکن اس بار اُس نے دیر تک کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ تب اس کی طرف اس طرح اس نے کروٹ بدلی تھی کہ اس کا ایک ہاتھ اس کے کولہے سے چھو گیا تھا اور اس نے فوراً اس کا ہاتھ پرے کر دیا تھا۔ چڑھ گیا ہے ..... اس نے سوچا تھا اور پھر یکایک کھِل کھِلا کر ہنس پڑی تھی اور زور زور سے ہنسنے لگی تھی .... اور تب اس طرح ہنستے ہوئے اس کو یکایک لگا تھا کہ وہ ٹھیک اسی طرح ہنس رہی تھی جس طرح وہ ہنسا کرتا تھا۔ وہی بے ڈھنگے پن اور احساس برتری کی ہنسی .... اور تب وہ اور زور سے ہنسنے لگی تھی۔ اور بے تحاشہ ہنسنے لگی تھی۔ اور وہ حیرت سے مڑ کر اس کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

———— ❁ ————

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

بگولے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی لتیکا رانی اپنے برہنہ جسم کو مختلف زاویوں سے گھور رہی تھی، اس کے ہونٹوں پر ایک مطمئن سی فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں پراسراری چمک۔ ایک ایسی چمک جو شکاری کی آنکھوں میں اس وقت آتی ہے جب وہ اپنا جال اچھی طرح بچھا چکا ہوتا ہے اور ہونٹوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ لئے ایک گوشے میں بیٹھا شکار کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ لتیکا رانی نے بھی اپنے جال بچھائے تھے اور فتح کا یقین کامل اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ بن کر رینگ رہا تھا۔ یوں تو لتیکا رانی نے شکار کئی کئے تھے اور کلب میں بڑی شکاری مشہور تھی۔ لیکن یہ شکار اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا تھا اور وہ اپنی اس کامیابی پر پھولے نہ سمائی تھی۔ اس نے مس چودھری کی طرح کبھی پیسے کے لئے شکار نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس پیسے کی کمی بھی نہ تھی۔ شہر میں کپڑے کی تین تین ملیں تھیں اور اس کے علاوہ بنک بیلنس بھی کافی تھا۔ وہ محض جنسی آسودگی کے لئے لوگوں سے رسم و راہ بڑھاتی تھی۔ مس چودھری سے تو اس کو شدید نفرت تھی۔ کیوں کہ مس چودھری نے ہمیشہ پیسوں پر جان دی تھی اور جاہل اور بھدے قسم کے لکھ پتیوں کے ساتھ گھومتی تھی جن کے پیلے پیلے بدنما دانتوں سے تو ایسی بُو آتی تھی کہ لتیکا رانی کو ان سے باتیں کرتے ہوئے ناک پر رومال رکھ لینا پڑتا تھا۔ لتیکا رانی کو

www.taemeernews.com

اس بات کا فخر تھا کہ اس نے کبھی ایسے ویسوں کو لفٹ نہیں دی۔ پچھلی بار بھی اس کے ساتھ ایک ماہر نفسیات کو دیکھا گیا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ پھر جلد ہی ان لوگوں سے اکتا جاتی تھی۔

لتیکا رانی کا مردوں کے متعلق وہی خیال تھا جو بعض مردوں کا عورتوں کے متعلق ہوتا ہے۔ یعنی وہ مردوں کو بستر کی چادر سے زیادہ نہیں سمجھتی تھی۔ کہ جب میلی ہو جائے تو بدل دو اور اس لئے کوئی چادر اس کے پاس ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ٹک پائی۔ اس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ ہمیشہ جوان اور تنومند ملازم رکھتی ہے۔ اور آئے دن انہیں بدلتی رہتی ہے۔ اور یہ بات سچ تھی۔ آج کل اس کے پاس ایک نوجوان دیہاتی ملازم آ کر رہا تھا جو وقت بے وقت اس کو بڑا سہارا دیتا تھا۔ خصوصاً اس دن تو وہ اس کے بڑا کام آیا تھا۔ جب وہ نوجوان انجینئر اس کے ساتھ بڑی رکھائی سے پیش آیا تھا اور اس کی پیش کش کو ٹھکرا کر مسز درگا داس کے ساتھ پکچر دیکھنے چلا گیا تھا۔ اس دن لتیکا رانی نے حد سے زیادہ پی تھی اور کوئی آدھی رات کو کلب سے واپس لوٹی تھی۔ کلب سے آ کر سیدھی ملازم کے کوارٹر میں گھس گئی تھی اور اس دیہاتی ملازم کو اس نے صبح تک ایک دم نچوڑ کے رکھ دیا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسے اس کی تسکین نہیں ہوئی تھی۔ اس انجینئر کو کھونے کا درد اور بڑھ گیا تھا۔ مسز درگا داس کے لئے لتیکا رانی کا دل نفرت سے بھر گیا تھا۔ کیونکہ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا۔ مسز درگا داس اس سے زیادہ تجربہ کار منجھی ہوئی شکاری تھی اور اس نے اس کے کئی شکار باتوں ہی باتوں میں اُڑا لئے تھے۔ اس سے بدلہ لینے کے منصوبے وہ رات دن بناتی رہتی۔ اور اس دن جب مسٹر کھنہ کے یہاں وہ پکنک کا پروگرام بنانے گئی تو اس نوعمر لڑکے کو دیکھ کر اس کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہے۔ وہ صوفے پر بیٹھا "لائف" کی ورق گردانی میں مصروف تھا۔

"مسٹر کھنہ ہیں ــــ؟" لتیکا رانی نے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جی....! وہ ــــ وہ تو نہانے گئے ہوئے ہیں۔" اس نے چونک کر لتیکا رانی کی طرف

www.taemeernews.com

دیکھا اور بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ لتیکا رانی کو اس کا اس طرح پلکیں جھپکانا کچھ اتنا اچھا لگا کہ وہ بے اختیار اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ کو تو یہاں پہلی بار دیکھا ہے ــــ"

"جی ہاں ــ ایک ملازمت کے سلسلے میں آیا تھا۔"

"اوہ تو آپ مالتی کے بھائی ہیں۔" لتیکا رانی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

جواب میں اس کی نظریں جھک گئیں اور چہرے پر ندامت کی لکیریں سی اُبھر آئیں۔

"مالتی تو مسٹر کھنہ کے ساتھ گئی ہوگی۔"

"جی ہاں ــــ" اس نے نظریں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

لتیکا رانی اس کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں خاصی بڑی بڑی اور پُرکشش تھیں اور کچھ کہتے ہوئے وہ کئی بار پلکیں جھپکاتا اور بہت سادہ و معصوم نظر آتا۔ مسیں کچھ کچھ بھیگ چلی تھیں اور ہونٹ بہت پتلے اور باریک تھے۔ چہرے کے سانولے پن نے اس کو اور زیادہ پُرکشش بنا دیا تھا۔ لتیکا رانی کا یکایک جی چاہا کہ وہ اس کے ہونٹوں کو چھو کر دیکھے کتنے نرم و نازک ہیں، لمحہ بھر کے لئے اس کو اپنی اس عجیب سی خواہش پر حیرت ہوئی اور وہ مسکراتی ہوئی اس کے تھوڑا قریب سرک آئی۔ لڑکے نے کچھ چور نظروں سے لتیکا کی طرف دیکھا اور پھر جلدی جلدی 'لائف' کے ورق اُلٹانے لگا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں اور چہرہ کسی حد تک سرخ ہو گیا تھا۔ لتیکا اس کی اس پریشانی پر مسکرا اُٹھی۔ وہ اس کے اور قریب سرک آئی۔ اس کی گھبراہٹ سے وہ اب لطف اندوز ہونے لگی تھی۔ لتیکا کی بھی نگاہیں "لائف" کے کھلتے ہوئے صفحوں پر مرکوز تھیں۔ ایک جگہ نیم عریاں تصویر آئی اور لڑکے نے فوراً وہ ورق اُلٹ دیا لیکن دوسری طرف برسے کا منظر تھا۔ اس نے کچھ گھبرا کر لتیکا کی طرف دیکھا اور "لائف" بند

www.taemeernews.com

کر کے ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"آپ کچھ پریشان ہیں ۔؟" لتیکا نے شرارت بھری مسکراہٹ سے پوچھا۔

"جی ۔! نہیں تو ۔" اس کے لہجے سے گھبراہٹ صاف عیاں تھی۔ وہ گھبراہٹ اپنی انگلیاں چٹخا رہا تھا۔

"آپ کی انگلیاں تو بڑی آرٹسٹک ہیں ۔" یکایک وہ اس کی پتلی پتلی انگلیو طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"لیکن مجھ میں بھی تو کوئی آرٹ نہیں ۔" اس دفعہ وہ مسکرایا اور لتیکا رانی کچھ جھینپ گ

"آپ کو پامسٹری پر یقین ہے ۔؟" اس نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا بہت ۔"

"پھر لائیے آپ کا ہاتھ دیکھوں ۔" اور لتیکا اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگی۔

اس کی ہتھیلی پسینے سے ایک دم گیلی تھی۔ لتیکا کی ہتھیلی اور انگلیاں بھی پسینے سے بھیگ اور اس کو عجیب سی لذت کا احساس ہوا۔ لتیکا کے جی میں آیا وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے سے خوب رگڑے اور اس کی ہتھیلی کا سارا پسینہ اپنے چہرے پر مل لے۔ اس پسینے کو وہ سو اس کا ذائقہ اپنی زبان پر محسوس کرے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی ہتھیلی کو دباتے ہو اس نے کہا۔

"آپ کا ہاتھ تو بڑا نرم ہے ۔ ایسا ہاتھ تو بڑے آدمیوں کا ہوتا ہے۔"

"لیکن میں تو بڑا معمولی آدمی ہوں۔"

"آپ بہت جلد مالدار ہو جائیں گے۔ یہ لکیر بتاتی ہے۔"

"لیکن بھلا میں کیسے مالدار ہو سکتا ہوں۔" اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"ہو سکتے ہیں ۔" یکایک لتیکا رانی کا لہجہ بدل گیا اور لڑکے نے اس طرح

www.taemeernews.com

اس کو دیکھا جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو۔

"میرے یہاں آئیے تو اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" لتیکا رانی بڑی ادا سے مسکرائی اور وہ محوِ حیرت اس کو تکنے لگا۔

"آئیں گے نہ ـــــ؟"

"جی ـــ کوشش کروں گا۔!"

"کوشش نہیں۔ ضرور آئیے۔ یہ رہا میرا پتہ۔" لتیکا رانی اس کو اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے بولی اور اس کو حیرت زدہ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ پھر یکایک وہ مڑی اور قریب آکر بولی۔

"چلئے ـــ کہیں گھومتے ہیں ـــ"

"جی ـــ مجھے ... مجھے ایک ضروری کام ہے۔" اس آواز کچھ پھنسی پھنسی سی تھی۔

"آپ اتنے نروس کیوں ہیں ـــ؟" لتیکا نے بڑے پیار سے پوچھا۔ اس کے جی میں آیا کہ اس کو پچکارے اور پیار کرے۔ لتیکا کو وہ ایسا ننھا سا خوف زدہ پرندہ معلوم ہو رہا تھا جو اپنے گھونسلے سے نکل کر کھلے میدان میں آگیا ہو اور جنگلی درندوں کے درمیان گھر گیا ہو۔

"آنے کی کوشش کروں گا ـــ"

لتیکا رانی مسکرائی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کار میں بیٹھ کر اس نے ایک دفعہ دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ گیٹ کے پاس کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ لتیکا کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو قریب بلایا۔ جب وہ تھوڑا جھجکتے ہوئے قریب آیا تو بولی "آج شام سات بجے انتظار کروں گی ـــ"

اور پھر مسکراتے ہوئے اس نے اس پر ایک آخری نظر ڈالی اور موٹر اسٹارٹ کر دی۔

گھر پہنچ کر وہ سیدھی غسل خانے میں گھس گئی اور اپنے سارے کپڑے اتار دیئے اس نے

www.taemeernews.com

ایک دفعہ اپنے عریاں جسم کو غور سے دیکھا اور شاور کھول کر اکڑوں بیٹھ گئی۔ پشت پر پڑتی ہوئی پانی کی ٹھنڈی پھواریں اسے عجیب لذت سے ہمکنار کر رہی تھیں۔ وہ بیسیوں دفعہ اس طرح نہائی تھی لیکن ایسا عجیب سا احساس کبھی نہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد تولیے سے جسم خشک کرتی ہوئی وہ باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے تولیہ پلنگ پر پھینک دیا اور قد آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر برہنہ جسم کو ہر زاویہ سے دیکھنے لگی۔

وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا ۔۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔ ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی اور آنکھوں میں پراسرار خواہش کے جگنو چمک رہے تھے۔

میز کی دراز سے اس نے سگریٹ نکالا اور ایک کرسی کھینچ کر آئینے کے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے ایک دفعہ اپنا عکس آئینے میں دیکھا۔ اپنے آپ کو وہ سولہ سترہ سالہ لڑکی محسوس کرنے لگی تھی۔ اپنا عکس اس کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ آنکھ ناک، ہونٹ، پیشانی سبھی نئے اور اجنبی سے لگ رہے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس کو بہت برے لگے۔ سنگار میز پر رکھی ہوئی کریم کی شیشی اٹھا کر بہت سا کریم آنکھوں کے نیچے ملنے لگی۔ پھر اس نے چہرے پر پاؤڈر لگایا اور سگریٹ کے کش لیتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا تو صرف پانچ بجے تھے۔ اس کے آنے میں کوئی دو گھنٹے باقی تھے۔ یہ دو گھنٹے اس کو پہاڑ سے لگے، اور اگر وہ نہیں آیا تو ...... اس خیال کے آتے ہی جیسے اس کے دل نے کہا۔ وہ اس کو ہر قیمت پر حاصل کرلے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنالے گی۔ وہ اس کے ساتھ موٹر میں گھومے گا۔ کلب، سینما گھروں، ہوٹلوں اور دعوتوں میں وہ اس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ اُف کتنا معصوم ہے وہ ۔۔ بالکل بچوں کی طرح باتیں کرتا ہے اور شرماتا تو ایک دم لڑکیوں کی طرح ہے۔ لیکارانی کو یاد آگیا کہ لائف کی ورق گردانی کے وقت جو ایک نیم عریاں تصویر آگئی تو کس طرح اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا تھا۔ لیکارانی مسکرائی۔ وہ آئے گا دیکھ

www.taemeernews.com

شرمایا سا رہے گا۔ وہ اس کے ایک دَم قریب بیٹھے گی اور اس کو ایک ٹک گھورتی رہے گی۔ وہ اس کو گھورتا دیکھ کر تھوڑا گھبرائے گا اور اس سے ہٹ کر بیٹھنے کی کوشش کرے گا۔ پھر وہ لکیریں دیکھنے کے بہانے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیگی۔ اس کی انگلیاں کیسی نرم و سبک سی ہیں۔ جب وہ گھبراہٹ میں اپنی انگلیاں چٹخاتا ہے تو کیسا پیارا سا لگتا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے گالوں سے مَس کر دے گی۔ اس کی ہتھیلی کا سارا پسینہ اس کے گالوں میں لگ جائے گا اور اس کے گال چپچپے ہو جائیں گے، تب اس کو کیسا ٹھنڈا ٹھنڈا لگے گا۔ اور وہ تو ایک دَم نروس ہو جائے گا۔ اور ایک دَم سہما سہما نظر آئے گا۔ اس کا نرم اور بے داغ جسم تھر تھر کانپنے لگے گا۔ تب وہ اس کو چمکارے گی اور پیار سے کہے گی " اتنے نروس کیوں ہو۔؟ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔" اور پھر روشنی ..... مگر نہیں — اتنی جلدی نہیں۔ وہ ایک دَم گھبرا جائے گا۔ پھر شاید کبھی نہ آئے۔ سولہ سترہ سال کا تو ہے ہی۔ ایک دَم نادان اور معصوم — لتیکا نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے سوچا۔ اور سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اس نے بے چینی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چھ بجے میں کوئی دس منٹ باقی تھے اور اس کو اپنے آپ پر غصہ آگیا۔ آخر یہ کون سی تک تھی کہ اس نے سات بجے کا وقت دیا تھا۔ خواہ مخواہ ایک گھنٹہ انتظار کرنا ہے اپنی بے چینی پر وہ یکایک مسکرا اٹھی اور ایک مخمور سی انگڑائی لیتی ہوئی پلنگ پر لیٹ گئی۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا۔ تکیے کو سینے پر رکھ کر اس نے زور سے دبایا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ سارے بدن میں اس کو جیسے دھیمی دھیمی سی آنچ لگنے لگی تھی۔ اتنی جلدی وہ یہ سب کچھ نہیں کرے گی۔ اس نے سوچا — وہ بالکل ناتجربہ کار اور نادان ہے۔ اس کا جسم بند کلی کی طرح پاک اور بے داغ ہے۔ محبت کا تو وہ ابھی مطلب بھی نہیں سمجھتا — وہ اس کو محبت کرنا سکھائے گی۔ ایک نادان لڑکے سے مرد بنائے گی۔ بھر پور مرد۔ اور لتیکا کو اپنے آپ پر بڑا فخر محسوس ہونے لگا۔ یہ سوچ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی کہ وہ پہلی عورت ہے

www.taemeernews.com

جو اس کو محبت سے روشناس کرائے گی۔

اُس نے الماری سے بئیر کی بوتل نکالی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگی۔ لیکن اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ ایک بار پھر غسل خانے میں گھس جائے اور پانی کی ٹھنڈی ٹھنڈی دھاریں اپنے جلتے ہوئے جسم کو دونوں ہاتھوں سے زور زور سے ملے۔ لیکن یکایک کال بل بج اُٹھی۔ اس نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا تو سات بج چکے تھے۔ اپنے عریاں جسم پر اس نے سلیپنگ گاؤن ڈالا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دروازہ پر پریشان اور گھبرایا سا کھڑا تھا۔

"اوہ! گاڈ — کم ان پلیز بوائے!" لتیکا رانی نے بے اختیار مسکراتے ہوئے کہا۔

لتیکا کو وہ ایسا سہما ہوا معصوم سا بچہ نظر آرہا تھا جس کو یکایک بھوت کہہ کر ڈرا دیا گیا ہو۔

وہ جیسے ہی اندر آیا لتیکا رانی نے دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا اور مسکراتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کی مسکراہٹ میں یقین کا رنگ مستحکم ہو کر فتح اور غرور کی چمک میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"بیٹھو کھڑے کیوں ہو —؟" لتیکا رانی نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ فرماں بردار بچے کی طرح کرسی پر بیٹھ گیا۔ لتیکا رانی نے کرسی کی ٹک گھورنے لگی۔ وہ کرسی کے ہتھے پر انگلیوں سے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو —؟"

"جی —؟"

"کیا سوچ رہے ہو —؟"

"کچھ نہیں —"

www.taemeernews.com

"کچھ تو ضرور سوچ رہے ہو۔ ؟" لتیکا رانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ چپ رہا۔

"لاؤ تمہارا ہاتھ دیکھوں ۔ !" وہ زیادہ صبر نہ کر سکی۔

اس نے چپ چاپ اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"اِدھر آجاؤ پلنگ پر۔ اچھی طرح دیکھ سکوں گی۔"

لمحہ بھر اُس نے توقف کیا اور پھر کرسی سے اُٹھ کر اس کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد لتیکا نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب سرک رہا ہے۔ لتیکا نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا بایاں ہاتھ لتیکا رانی کی کمر کے گرد بڑھ رہا تھا اور پھر لتیکا نے اپنی کمر پر اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کیا۔ اس کو لڑکے کی اس بیباکی پر سخت حیرت ہوئی۔ وہ اس سے تھوڑا ہٹ کر بیٹھ گئی۔ جیسے اتنی جلدی اس کا بے تکلف ہو جانا اس کو پسند نہ آیا ہو۔ لتیکا نے محسوس کیا کہ وہ پھر اس کے قریب سرک رہا ہے۔ ایک دفعہ لتیکا کو پھر اپنی کمر پر اس کی انگلیوں کا دباؤ محسوس ہوا۔

"یہ لکیر کیا بتاتی ہے ۔ ؟" یکایک لڑکے نے جُھک کر ایک لکیر کی طرف اشارہ کیا اور اس طرح جھکنے میں اس کا چہرہ لتیکا کے چہرے کے قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے رخساروں کو لڑکے کی گرم گرم سانسیں چھونے لگیں اور لتیکا کو ایسا لگا جیسے وہ جان بوجھ کر اس کے اتنے قریب جُھک گیا ہے۔ جیسے وہ اس کو چومنا چاہتا ہو۔ لتیکا رانی کھڑی ہو گئی اور کچھ ناگوار نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں اب لتیکا کو اس کے چہرے پر پہلی جیسی معصومیت اور سادہ پن نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اس کو اور لوگوں کی طرح ایسا ویسا لگ رہا تھا۔

"بیٹھئے نہ ۔ آپ اتنی نروس کیوں ہیں ؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نروس ۔ بھلا میں کیوں نروس ہونے لگی ؟" لتیکا رانی نے بڑے طیش میں کہا اور اس کو

www.taemeernews.com

ایسا لگا جیسے یہ وہ نہیں ہے جو وہ اب تک سمجھ رہی تھی۔ بلکہ یہ تو انتہائی فحش اور گندا انسان ہے۔ یہ کوئی سولہ سترہ سالہ معصوم نادان لڑکا نہیں ہے۔ بلکہ ایک خطرناک مرد ہے بھرپور مرد۔ اس کا جسم کسی بند کلی کی طرح پاک اور بے داغ نہیں ہے بلکہ گندگی میں پلا ہوا کوئی زہریلا کانٹا ہے جو اس کے سارے وجود کو لہولہان کر دے گا۔

اور دوسرے لمحے جیسے لتیکا رانی کا سارا وجود لہولہان ہو گیا۔ پل بھر کے لئے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ لتیکا کو محسوس ہوا جیسے وہ اس کو ایک دم فاحشہ اور بازاری عورت سمجھتا ہے۔ جیسے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ جو جب چاہے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اور لتیکا کا دل اس کے لئے نفرت سے بھر گیا۔ وہ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکل گئی اور اپنے ہونٹوں کو انگلیوں سے پونچھتے ہوئے اس نے چیخ کر کہا۔

"یو باسٹرڈ ـــ وہاٹ فور یو ہیو کم ہیر ـــ؟"

اس نے حیرت سے لتیکا کی طرف دیکھا۔

"گٹ آوٹ یو سوائن ـــ" وہ چیخی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر لڑکے نے ایک بار مڑ کر لتیکا کی طرف دیکھا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔

لتیکا پلنگ پر گر کر ہانپنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ یکایک اٹھی، سلیپنگ گاؤن اتار پھینکا اور غسل خانے میں گھس گئی۔ شاور کھول کر وہ اکڑوں بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے پانی کی دھار اس کی ریڑھ کی ہڈیوں میں گدگدی سی پیدا کرنے لگی اور وہ زور زور سے اپنا سارا بدن ہاتھوں سے ملنے لگی۔ گرتے ہوئے پانی کے مدھم شور میں لتیکا رانی کی گھٹی گھٹی سی چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

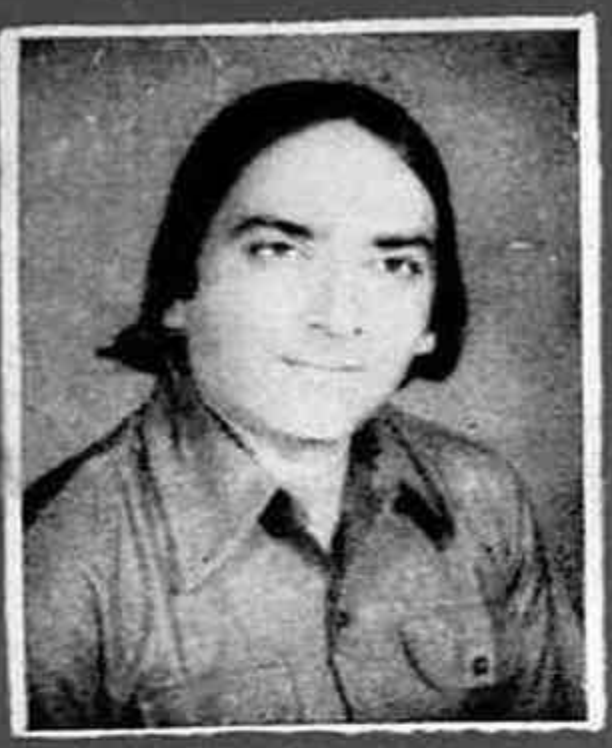

"منفرد اسلوب، تیکھے لب و لہجے اور موضوعات کی رنگا رنگی کی وجہ سے
شموئل احمد نے ہم عصروں میں اپنی پہچان الگ بنائی ہے۔ ان کے پیرایۂ
اظہار میں دل موہ لینے والی تازگی اور کشش ہے۔ ان کے یہاں
علامت نگاری بطور فیشن نظر نہیں آتی بلکہ ہر کہانی موضوع اور مواد
کے اعتبار سے اپنے فطری اسلوب میں اس طرح ڈھلی ہوتی ہے
کہ علامتی مفہوم از خود واضح اور روشن نظر آتے ہیں۔

جنس کی نفسیات پر شموئل احمد کی نظر گہری ہے لیکن ان کی
کہانیاں عصری مسائل سے بھی آنکھیں نہیں چراتیں۔ عصر حاضر کی
بے بسی اور شکستگی فرد اور سماج کی نوعیت اور سیاسی جبر و
استحصال کو جس فنی مہارت سے انہوں نے کہانی کے سانچے
میں ڈھالا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ "بگولے" "آدمی اور
مین سوئچ" "آخری سیڑھی کا مسافر" "قصبہ کا المیہ" "ترکھٹ"
اور "عکس کلس" جیسی کہانیوں سے گذرنے کا مطلب ہے
اردو افسانے کی نئی فنی جہت اور گہرے معنیاتی امکانات سے دو
چار ہونا۔

شموئل احمد پیشے سے انجینئر ہیں اور ریاست بہار
کے شعبہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ سے منسلک ہیں۔"